سندھ میں اردو شاعری
(از عہدِ شاہجہان تا قیامِ پاکستان)
مؤلف
ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ
مجلسِ ترقی ادب ۰ لاہور

سندھ میں اُردو شاعری

سندھ میں اردو شاعری

(از عہدِ شاہجہان تا قیامِ پاکستان)

مؤلف

ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ

مجلسِ ترقی ادب ○ لاہور

طبع سوم : جون ۱۹۷۸ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ - ریلوے روڈ ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

قیمت : ۲۵ روپے

صاحب طرز نثر نگار اور شاعر ابن انشاء مرحوم
کی یاد میں یہ کتاب انجمن ترقی اردو سندھ
کی لائبریری کو پیش کی جاتی ہے

فہرست

☆ ☆ ☆

پیش لفظ

(تیسری اشاعت)

ایک اور شاعر سیّد عابد علی شاہ 'شیدا' خیرپوری کا کچھ کلام دستیاب ہوا ہے جس کو آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

اسلام آباد　　　　　　　　　　　　مخلص

۱۶ فروری ۱۹۷۷ء　　　　　　　　نبی بخش خاں بلوچ

پیش لفظ

(دوسری اشاعت)

یہ کتاب "سندھ میں اردو شاعری" ۱۹۶۷ء میں پہلی بار چھپی اور علمی حلقوں میں قدردانی کی نگاہ سے دیکھی گئی ، لہٰذا راقم نے اس کا دوسرا ایڈیشن تیار کرنے کی طرف توجہ دی ۔ اس دوسرے ایڈیشن کی خصوصیات یہ ہیں : اول جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ، صدر شعبۂ اردو ، سندھ یونیورسٹی نے پہلی اشاعت کو شروع سے آخر تک لفظ بہ لفظ پڑھ کر طباعت اور املا کی اغلاط کی نشاندہی کی اور اصلاحات تجویز فرمائیں جن کو اس اشاعت میں شامل کر دیا گیا ہے ۔ اس لحاظ سے یہ ایڈیشن نسبتاً زیادہ صحیح اور صاف ہے ۔ اس کے علاوہ متن میں بھی مفید اضافے کیے گئے ہیں ۔ خصوصاً چار نئے شعرا کا کلام شامل کیا گیا ، جن کے نام یہ ہیں : سیّد قمبر علی شاہ 'بھاڈائی' (ص ۸۲) ، غلام حیدر فقیر گرناری (ص ۱۴۷) ، امام علی خدمتگار (ص ۲۲۵) اور ہدایت علی نجفی (ص ۲۶۸) ۔ ان اضافوں کے بعد شعرا کی تعداد اب ستر تک پہنچ گئی ہے ۔

بعض شعرا نے اگرچہ 'بھاشا' یا 'ہندی' میں شاعری کی ہے ، لیکن ہم اس شاعری کو بھی ارتقائی طور پر اردو شاعری کی تاریخ کا ایک باب سمجھتے ہیں ۔ لہٰذا ایسے شعرا کا کلام بھی لے لیا

گیا ہے تاکہ سندھ میں اردو شاعری کے ارتقا کا سلسلہ واضح ہو جائے ۔

اکثر شعرا کا کلام قلمی ذخیروں سے لیا گیا ہے ۔ دورِ ماضی کے سندھی کاتبوں کی اردو زبان سے ناآشنائی کی وجہ سے بعض اشعار میں املا کی غلطیاں رہ گئی ہیں جس سے بحر و وزن میں تغیّر پیدا ہو گیا ہے ۔ کوشش کے باوجود چند اشعار کی صحیح صورت معلوم نہ ہو سکی ۔ تاہم سندھ میں اردو شاعری کی تاریخ کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان چند اشعار کو عروضی سقم کے باوجود شامل کر لیا گیا ہے ۔ امید ہے کہ نئے قلمی ذخیروں کی دریافت سے ان کی تصحیح ہو سکے گی ۔

سندھی شعرا نے بعض الفاظ کو مقامی سندھی لب و لہجہ میں ادا کیا ہے ۔ اس لہجے کی خصوصیات یہ ہیں :

(الف) حروفِ صحیح پر مشتمل سہ حرفی الفاظ کا حرف دوم اکثر متحرک ہوتا ہے ، اور اس پر عموماً ماقبل کی حرکت لاحق ہوتی ہے ؛ جیسے کہ حُسُن ، کُفُر ، مَدَح ، دَرَس ، جِسِم ، چِشِم وغیرہ ۔ البتہ پہلا حرف جب مفتوح ہوتا ہے تو بعض صورتوں میں حرفِ دوم پیش ، زیر یا سکون کے ساتھ بولا جاتا ہے ۔ مثلاً قَتُل ، فَتِح ، مَرْض ۔

(ب) بعض دوسرے الفاظ کا املا بھی سندھی میں مخصوص ہوتا ہے ؛ مثلاً بھَرْوَسَہْ (بھروسہ) ۔ اشعار میں ایسے الفاظ کو مقامی لب و لہجہ کے مطابق پڑھا جائے گا تو وزن صحیح ہو جائے گا ۔ وزن کے

سلسلے میں ایک اور نکتہ بھی ذہن نشین کرانا ضروری ہے ؛ وہ یہ کہ صنف 'کافی' عروضی پابندیوں سے آزاد ہے ۔ 'کافیاں' بُحور اور اوزان کی پابند نہیں ہوتی بلکہ 'الحان' اور 'لَے' سے ہم آہنگ ہوتی ہیں ۔

میں اپنے رفیقِ محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے پہلی اشاعت کے متن کو کافی توجہ سے لفظ بہ لفظ پڑھ کر مفید اصلاحات تجویز فرمائیں ۔ جناب ممتاز مرزا صاحب نے کتاب کی طباعت میں ہاتھ بٹایا ۔ میں اُن کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔

سندھ یونیورسٹی — مخلص

حیدرآباد سندھ — **نبی بخش خاں بلوچ**

۱۵ اگست ۱۹۷۰ع

تعارف

(پہلی اشاعت)

۲۷ جنوری ۱۹۶۶ع کو بندۂ راقم کی تجویز پر ''مہران آرٹس کونسل'' حیدر آباد کے زیرِ اہتمام فنِ شعر و شاعری کی ترویج کے سلسلے میں ایک 'محفلِ انشاد' منعقد کی گئی جس میں خطۂ سندھ کے قدیم اُردو شعرا کے منتخب اشعار پیش کرنے کی کوشش کی گئی، تاکہ قدما کے اسالیبِ بیان اور محاسنِ کلام منظرِ عام پر آ جائیں اور اس طرح تنقیدِ شعری کا دائرہ وسیع ہو۔ اور ساتھ ہی اُردو شاعری کی ترویج میں خطۂ سندھ کا جو حصہ ہے، وہ بھی کسی قدر روشن ہو کر آیندہ کے لیے اہلِ علم کی توجہ کا مرکز بن سکے۔

محفلِ انشاد کے لیے بارہ شعرا کا انتخاب کیا گیا، جن میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کی سوانح یا کلام کے متعلق اب تک بہت کم معلومات تھیں۔ راقم نے ان کے متعلق ضروری معلومات فراہم کیں تاکہ جو حضرات ان شعرا کے کلام کو پیش کریں، انھیں تنقید و تبصرہ میں آسانی ہو۔ یہ محفل ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی کی زیرِ صدارت منعقد کی گئی۔ جن حضرات نے ان شعرا کا کلام اپنی نقد و نظر کے

ساتھ اس محفل میں پیش کیا ، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

جناب ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب ، صدر شعبۂ اردو ، سندھ یونیورسٹی ۔

جناب علی نواز جتوئی صاحب ، صدر شعبۂ سندھی ، سندھ یونیورسٹی ۔

جناب ڈاکٹر رشید اللہ خاں صاحب ، لیکچرار شعبۂ اردو ، سندھ یونیورسٹی ۔

جناب ڈاکٹر شرف الدین صاحب ، شعبہ اردو ، سندھ یونیورسٹی ۔

جناب میرزا اسد بیگ صاحب ۔

جناب شاہ محمد نعیم ندوی صاحب ، لیکچرار شعبۂ اردو ، سندھ یونیورسٹی ۔

جناب ڈاکٹر قاضی نبی بخش صاحب ، صدر شعبۂ فارسی ، سندھ یونیورسٹی ۔

جناب مشتاق جعفری صاحب ، لیکچرار گورنمنٹ کالج حیدرآباد ۔

جناب الیاس عشقی صاحب ، اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر ، ریڈیو پاکستان حیدرآباد ۔

جناب جبریل صدیقی صاحب ، ایڈووکیٹ ۔

جناب زیب بھٹی صاحب ، لیکچرار سندھی سچل کالج ، حیدرآباد ۔

جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب ، ہیڈماسٹر قاضی اکبر گورنمنٹ پرائمری اسکول حیدرآباد ۔

جناب ممتاز مرزا صاحب ، ریڈیو پاکستان حیدرآباد ۔

اس محفل میں جو کلام پیش کیا گیا ، اس کی نوعیت اور ان اہلِ علم حضرات کے تبصروں سے یہ پہلی بار محسوس کیا گیا کہ اردو شاعری کی ترویج میں خطۂ سندھ کے شعرا کا حصہ اس برِ صغیر

کے دوسرے خطوں کے شعرا سے کچھ کم نہیں ہے ۔ فنِ شاعری کے سلسلے میں اس بیش بہا سرمائے کی حفاظت اور اشاعت کو ضروری سمجھ کر راقم نے مہران آرٹس کونسل کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ خطۂ سندھ کے قدیم اردو شعرا کا منتخب کلام کونسل کی طرف سے شائع کیا جائے ۔ کونسل نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور بندہ نے اس کتاب کی تالیف اپنے ذمے لے لی ۔

اس کتاب اور اس میں شامل مواد کے متعلق چند گذارشات ضروری ہیں : اول یہ کہ یہ تالیف اس موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ نہیں بلکہ ایک اجمالی خاکہ ہے ۔ تفصیلی جائزہ نہیں بلکہ ایک مثالی کوشش ہے ۔ لہٰذا سندھ میں اردو شاعری کی تاریخ کے ہر دور میں سے نمائندہ شعرا کو پیش کیا گیا ہے ۔ ان کے علاوہ اور بھی شعرا ہیں جن کے نام معلوم ہیں اور بعض کا کلام بھی موجود ہے ، لیکن سرِ دست جو مواد اور معلومات راقم کے پاس موجود تھیں یا آسانی سے حاصل ہو سکیں ، ان کو اس کتاب میں مرتّب کیا گیا ہے ۔

دوم یہ کہ صرف ایسے شعرا کو لیا گیا ہے ، جن کا تعلق خاص خطۂ سندھ سے رہا ہے ۔ یہ عہدِ شاہجہان سے لے کر تقریباً ۱۹۳۵ع تک کے شعرا ہیں ۔ ان میں سے اُن متاخرین کو لیا گیا ہے جن کی علمی اور ذہنی تربیت ۱۹۲۰ع[1] سے پہلے ہوئی ، حالانکہ وہ ۱۹۳۵ع تک زندہ رہے ، یعنی ایسے شعرا کو لیا گیا ہے جن کا کلام نسبتاً خالص سندھی ماحول کی پیداوار ہے ، تاکہ سندھ میں اردو کی مستقل نشوونما کی تاریخ کے خدوخال روشن ہو سکیں ۔

۱- تحریکِ پاکستان سے پیشتر ، پہلے تحریکِ خلافت (۱۹۲۰ع) اور بعد میں مسلم لیگ اور خاکسار تحریک نے اس نئے ماحول کی ابتدا کی جس میں خطۂ سندھ جدید اُردو زبان سے براہِ راست آشنا ہوا ۔

سوانح کا مواد کافی کوشش سے جمع کیا گیا ہے ۔ شعرا کی 'زندگی کے حالات' خصوصاً ولادت ، وفات اور بود و باش کے اہم پہلوؤں کو روشن کرنے کی کوشش کی گئی ہے ، مگر وقت کی قلت کی وجہ سے تفصیلی معلومات فراہم نہ ہو سکیں ۔ جہاں ولادت اور وفات کی صحیح تاریخیں نہ مل سکیں وہاں ذیلی مطالعے اور قرائن سے ولادت اور وفات کے سال اندازاً لکھ دیے گئے ہیں ، تاکہ شاعر کے دور کا حتی الامکان اندازہ کیا جا سکے ۔

مئی اور جون ۱۹۶۶ع کے قلیل عرصے میں اس کتاب کی تالیف اور طباعت کی تکمیل کے باعث بعض پہلو تشنۂ تحقیق رہ گئے ہیں ، جن کی تلافی کو دوسرے ایڈیشن پر ملتوی کیا گیا ہے کہ 'کارے کسی تمام نکرد' ۔

مہران آرٹس کونسل حیدر آباد کے صدر اور کمشنر حیدر آباد ، جناب مسرور حسن خاں صاحب (تمغۂ پاکستان سی - ایس - پی) قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس تالیف کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے کونسل کی طرف سے اس کی اشاعت کی تجویز کا خیر مقدم کیا اور کونسل نے کتاب کو چھاپنا منظور کر لیا ۔

جن حضرات نے اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بندہ کا ہاتھ بٹایا ان میں سے سب سے پہلے میں اپنے بزرگ رفیق اور کرم فرما ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ، صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی کا شکرگزار ہوں ، جنھوں نے اس کام کی ہر منزل پر بندہ کو خندہ پیشانی سے اپنے بیش بہا مشوروں سے مستفید فرمایا ۔ ان کی ذاتی محبت اور اس کتاب کی تالیف سے دلچسپی میرے لیے اس کام کی تکمیل میں مشعلِ راہ ہوئیں ۔ محترم میرزا اسد بیگ صاحب ، محترم میرزا عباس علی بیگ صاحب اور محترم ممتاز مرزا صاحب نے بعض شعرا

کے سوانح اور کلام کے متعلق مواد مہیا کرنے میں میری مدد فرمائی ۔ سیّد اکرام علی صاحب ، پرنسپل سندھ یونیورسٹی ماڈل سکول کو اس کام سے ایسا دلی لگاؤ ہوگیا کہ انھوں نے شروع سے آخر تک اس کام میں تعاون فرمایا ۔ محترم محمد اسمٰعیل شیخ اور محترم ممتاز مرزا نے پریس کاپی تیار کرنے میں مدد کی ، اور محترم محمد حسن بلوچ نے اس کتاب کے چھپوانے کا کام اپنے ذمے لیا ۔ میں ان سب حضرات کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔

سندھ یونیورسٹی
۱۰ جولائی ۱۹۶۷ع

نبی بخش خان بلوچ
اعزازی سیکرٹری
مہران آرٹس کونسل ، حیدر آباد

۱

مُلاّ عبدالحکیم عطا ٹھٹوی

(۱۰۴۰ھ — ۱۱۴۰ھ)

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحکیم 'عطا' سنہ ۱۰۴۰ھ کے لگ بھگ ٹھٹہ میں پیدا ہوئے تھے - ان کے والد اور بڑے بھائی عالم فاضل اور شاعر تھے - تعلیم سے فارغ ہوتے ہی 'عطا' نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا - بقول میر علی شیر قانع، ٹھٹہ کے گورنر نواب مظفر خاں (۱۰۶۳ھ — ۱۰۶۹ھ) نے اپنی سرپرستی میں ان کے شاعرانہ ذوق کی آبیاری کی - 'عطا' کی شاعری کا آغاز سنہ ۱۰۶۰ھ سے ہوتا ہے -

'عطا' نے بڑی عمر پائی - ان کی ولادت شاہ جہانی دور میں ہوئی اور وفات عالمگیر کے بعد ٹھٹہ میں - 'عطا' نے ملک میں انتظامی اور سماجی خلفشار دیکھا تھا - چنانچہ اُن کے کلام میں سیاسی بے چینیوں اور بدنظمیوں کی طرف بھی اشارے پائے جاتے ہیں -

سنہ ۱۱۱۸ھ سے لے کر ۱۱۲۹ھ کا زمانہ اُن کے لیے مصیبتوں اور تکلیفوں کا دور تھا - اس کا اعتراف وہ یوں کرتے ہیں کہ:

"داغ دل عطائی" تاریخ حال تست

از خار خار سینہ خراشیدہ بودہ ای

''داغ دل عطائی'' سے سنہ ۱۱۲۹ھ برآمد ہوتا ہے ۔ آپ کا ایک قطعہ ''جھوک'' کے بزرگ صوفی شاہ عنایت اللہ کی گرفتاری اور شہادت (۱۱۳۰ھ) پر ملتا ہے ۔ ایک دوسرے واقعے کا مادۂ تاریخ ۱۱۳۵ھ ہے ۔ یہ آخری سال ہے جو آپ کے اشعار میں ملتا ہے ۔ غالباً اس کے بعد جلد ہی 'عطا' کا انتقال ہو گیا ۔[1]

بقول میر علی شیر قانع ، 'عطا' ایک پاک باز ، عبادت گزار اور پرہیزگار شخص تھے اور وہ صوفی مشرب رکھتے تھے ۔ 'عطا' کو اپنے سخنور ہونے پر ناز تھا ۔ وہ خود کو یکتائے روزگار سمجھتے تھے اور متمنی تھے کہ قدردان ان کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کریں ۔

'عطا' کے فارسی کلام کا مخطوطہ ، جو ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جس سے ''دیوانِ عطا'' چھاپا گیا ہے ، اس میں آٹھ نو سو کے قریب غزلیں ، قریباً ایک سو رباعیاں ، ترجیع بند ، مخمّس اور ۱۴۱ اشعار پر مشتمل ایک 'ساقی نامہ' ہے ۔

اس مخطوطے میں 'عطا' نے اپنا اُردو کلام بھی کہیں کہیں قلم بند کیا ہے اور یہ کلام سنہ ۱۱۰۰ھ تک کا ہے ۔[2] کچھ اُردو کلام حواشی میں اور بین السطور لکھا ہوا ہے[3] جس کو ''دیوانِ عطا'' کے فاضل مرتّب نے یکجا کر دیا ہے ۔[4] افسوس کہ بعض اشعار

۱۔ ماخوذ از ''دیوانِ عطا'' ، تصحیح و تحقیق سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری ، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۔

۲۔ ملاحظہ ہو فاضل مرتّب کا مقدمہ ، ص ۱۳۴ ۔

۳۔ ایضاً مقدمہ ، ص ۱۳۴ ۔

۴۔ ایضاً مقدمہ ، صفحات ۱۲۰ ، ۱۳۴ ، ۱۳۷ ، ۴۵۹ ، ۴۶۱ ۔

ناقص مخطوطے کی وجہ سے مٹ کر رہ گئے ہیں :

(۱)

عطا اس بھوک سوں ہم لوک رہتا
ز خوردن ساگ لونی سوک رہتا

مری جاں دیکھنا پھر دکھ نہ دینا
کہ محتاج تو کے مفلوک رہتا

دو کلجگ از دعا گویاں مقابل
مدد پایا مراد چوک رہتا

ز با افراط افطار فقیراں
کیئوں رجنا بہ آدھی بھوک رہتا

ترا پیوستہ جشن است و مرا فقر
نہ یاد از گریۂ صعلوک رہتا

کہاں وہ پوچھنا ہنسنا کھلانا
نظر بر سور کی مملوک رہتا

(۲)

عطا خبطا کہاں خاموش رہتا
سخن گر از زباں برگوش رہتا

ازیں کلجگ گذرنا . . . . . .
کہ اس دکھ سوں . . کوش رہتا

ز سوز سینہ دم . . . .
اگر از گرمیٔ دل جوش رہتا

چو مجنونِ ذو فنونِ زار اینجا
کہ بے پرواز خود بے ہوش رہتا
ز خود خونِ جگر پیتا و جیتا
بہ درد و داغ ہم‌آغوش رہتا
مسافر را ہمیں آب و غذا خوش
کز اشک و آہ دوشا دوش رہتا
چو گل رنگ حنا بندی بدزدید
چو نیلوفر کہ نیلی پوش رہتا
بہردم آدمی بے چارہ بے تاب
بغمہا غوطہ نوشا نوش رہتا

(۳)

حیف است اے **عطا** . . . .
. . . . لاچار لادنا و لت پت لپیٹنا
جو وے سدھار جاگ کیا نیند بایلی
صد بار ہارنا ، نہ کبھی داؤ جیتنا
ہشیار کھیلنا ، دکھ اپنا نہ سوجھنا
سب چھوڑنا نہ مال پرایا سمیٹنا
. . . ناو جھولنا نہ لڑکپن گیا ابھی
. . . . اتیت کلجگ و پردیس چیتنا
. . . . کیا کہہ گیا کھیت کا سمے
. . . . تکے . . . . کھلیاں دیکھنا

(۴)

. . دن گیا کہ پوت کلاتور پھٹ پڑی
. . . چو تالت سری پاپ کھینچنا

. . . . کہنا کہ آگا پیچھا پکا رہے
. . . پھرے کہ دینا لینا نہ پہنچنا
. . . . . ملہارے پرگھٹ پڑا رہا
. . . دل نہ مانکے رجنا و چھوٹنا

. . بھولنا کہ ابھی. رات ہے نہ دن
. . . . حالیانہ کا نہ سپنا نہ آکھنا
. . . . . غزل کہنا بات چیت سن
. . . . . پیا کچھ اپنا حال دیکھنا

☆ ☆ ☆

۲

میر حیدرالدین ابوتراب کامل

(۱۱۰۰ھ؟ — ۱۱۶۴ھ)

میر حیدر الدین بن محمد رضی الدین کی کنیت 'ابو تراب' تھی۔ آپ 'فدائی' خانوادۂ امیر خانی سے تعلق رکھتے تھے۔ پوری زندگی عسرت اور استغنا میں گذاری۔ لوگ آپ کو نذرانے پیش کرتے لیکن آپ انھیں قبول نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔

آپ ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر تھے، 'کامل' تخلص کرتے تھے۔ سندھی، اُردو اور فارسی کے صاحبِ دیوان تھے۔ میر علی شیر 'قانع' لکھتے ہیں کہ میر 'کامل' نے اپنے کلام کے دس ضخیم مسودے تیار کیے، جو آپ نے میاں محمد پناہ 'رجا' ٹھٹوی کو تدوین کے لیے دیے تھے۔ 'قانع' اور 'رجا' ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔

میر کامل کا زمانہ وہ تھا جب سندھ میں 'کلہوڑہ' خاندان برسرِ اقتدار آ چکا تھا، مگر ٹھٹہ ایک مدت تک مغل صوبہ داروں کے ماتحت رہا۔ مغلیہ سلطنت کے دور میں اُردو کے شعرا وقتاً فوقتاً سندھ میں آتے تھے، اور مقامی شعرا اور ادبا کی ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ان ملاقاتوں کی وجہ سے سندھ کے فارسی شعرا نے اس

نئی زبان کو بھی اپنایا اور اس میں اشعار کہے ۔ میر حیدرالدین کامل نے بھی اس اثر کے تحت اُردو میں طبع آزمائی کی ۔

میر کامل نے سنہ ۱۱۶۴ھ میں وفات پائی ۔ میر علی شیر قانع نے ان کی تاریخِ وفات ''انّ للمتّقین جنّت'' سے نکالی ۔

۱۱۶۴ھ

کامل کا کلام بطورِ نمونہ میر علی شیر قانع نے اپنی تصنیف ''مقالات الشعرا'' اور اپنے بیاضوں میں قلم بند کیا ہے ۔ ''مقالات'' میں لکھا ہے کہ ''ہرچند اشعار ہندیِ ایشاں عالم گیر است ، امّا فقیر آنچہ یاد دارد می نویسد ۔'' کامل کے اُردو اشعار عالم گیر شہرت حاصل کر چکے تھے جس سے اُن کی شاعرانہ قدر و منزلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ صنعتِ ایہام میں وہ بے نظیر تھے ۔ آپ نے غزل و منقبت کے علاوہ کبت و دوہرہ کی زمین میں بھی شاعری کی اور ان صنفوں میں عجیب نکات آفرینی کی ۔ قانع کے الفاظ یہ ہیں ''در ایہام ہندی بے مثل ، و دہرہ و کبت و نکات غریب و صفات عجیب و سائر اقسام از ایشان بسیار بزبانہاست ۔''

یہاں اُن کے کلام کا کچھ انتخاب پیش کیا جاتا ہے :

پیارے لڑکے ہمیں ستانا کیا
ہر گھڑی لڑ کے رُوس[1] جانا کیا
پھر سجن پاک سچ چلے ہیں کیوں
بات بے بیچ میں بتانا کیا
یُو جلا کھیل میں یُو جاتا ہوں
شمع رُو کا پتنگ اُڑانا کیا

۱- رُوس = روٹھ۔

یار جانا کی بات جانی میں
یہ نہ جانے تو پھر نہ جانا کیا
دلبری میں سکچ[۱] سُو کچھ ناہیں
دل چرانے میں دل چرانا کیا
شمع کہتی جلی جلی بتیاں
کاٹنا سر ، جلا جلانا کیا
تیغ غمزے کی زور کامل پر
جو بہانا ، تو پھر بہانا کیا

لبوں دلبر کے میرے قتل پر بیڑا اٹھایا ہے
خدایا خون سوں میرے تو اس کوں سرخرو کرنا

خال رخسار پر اچنبا ہے
گال کے کھیت میں آگا ہے تیل

عشق اب ڈول ہے زلیخا کا
اس سوں آگے ہے چاہ میں یوسف

دوست بخشے گا دوست سب کے سب
گرچہ عاصی ہوں اس کا آسی ہوں

۱۔ سکچ = تامل ۔

تیرے واصل میں دوجی تات[1] نہیں
سب ہوا پھول ایک پات نہیں

وعدے ہوئے دروغ جو اس لب سوں ہم سنے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

خط ترے کا شوق اکھیاں کا لکھا
ہرن کوں سبزے بنا[2] چارا نہیں

عشق کی آگ جگمگاتی ہے
یہ دیا تیل بات پاتی ہے

کس کی چوپر پر اجل ڈھارا نہیں
سار لے تو کس کو وہ مارا نہیں

زلف انکھیاں پہ آن لٹکے ہیں
دام بادام دو دو اٹکے ہیں

زلفاں کے اگر ساتھ آڑاؤ تو آڑوں گا
سو بار اگر مار لڑاؤ تو لڑوں گا

۱۔ تات = جستجو، طلب۔
۲۔ سبزے بنا = سبزے کے بغیر۔

کامل ہے غنی ٹھیکری پر لاکھ لگاوے
کیوں ٹوٹا گھڑا ، پھر تو گھڑاؤ تو گھڑوں گا

درد ہے دال ، موہ بھاتا ہے
مجھے کچھ درد دال بھاتا نہیں

☆ ☆ ☆

۳

میر محمود صابر

(۱۱۱۵ھ؟ - ۱۱۸۵ھ؟)

میر محمود کے آبا و اجداد استرآباد (ایران) کے رضوی سادات کے ایک معزز خاندان سے تھے - ان کے والد جہاں آباد (دہلی) آ کر متوطن ہوئے اور یہیں پر ۱۱۱۵ھ کے لگ بھگ میر محمود کی ولادت ہوئی - ان کا خاندان امامیہ مذہب اثناعشری کا پیرو تھا جو انھیں ورثے میں ملا تھا - تعلیم سے فراغت کے بعد ائمہ کی زیارات کی خاطر انھوں نے اپنے دوسرے وطن دہلی کو خیرباد کہا - زیارات سے مشرف ہو کر وہ سندھ کے راستے واپس ہوئے تو شہر ٹھٹہ کی رونق اور چہل پہل میں ان کا دل اٹک کر رہ گیا ، اور واپس وطن جانے کا خیال ترک کر کے ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو رہے - انھوں نے یہیں پر شادی کر لی اور صاحبِ اولاد ہوئے -[1]

غالباً ۱۱۳۵ھ - ۱۱۴۰ھ کے درمیان ، جبکہ ان کی عمر ۲۰ - ۲۵ سال کی تھی ، انھوں نے ٹھٹہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی - اس وقت ٹھٹہ پر شاہانِ دہلی کے صوبہ داروں کی حکمرانی تھی - لیکن

۱- مقالات الشعرا : صفحات ۳۵۵ - ۳۵۶ (۳۸۰ ، صابر) -

یہ مغلیہ سلطنت کے زوال کا زمانہ تھا ۔ سندھ میں کلہوڑہ (عباسی) خاندان کی سیاسی قوت روز بروز مستحکم ہوتی جا رہی تھی ۔ بالآخر ۱۱۵۱ھ میں جنوبی سندھ یعنی ٹھٹہ کا علاقہ بھی بطور اجارہ میاں نور محمد خدا یار خان عباسی کی تحویل میں آ گیا ۔

آزادی کی اس نئی فضا میں ٹھٹہ کا مردم خیز شہر اپنی علمی اور ثقافتی روایات میں اور آگے بڑھا ۔ میر محمود کو ٹھٹہ میں سکونت اختیار کیے ہوئے دس پندرہ برس گذر چکے تھے ۔ یہ وہ وقت تھا کہ مخدوم محمد ہاشم (متوفی ۱۱۷۴ھ) اور مخدوم محمد معین (متوفی ۱۱۶۱ھ) جیسے نامور علما اور محسن جیسے سربرآوردہ شعرا یہاں علم و فن کی محفلیں گرما رہے تھے ۔ اُردو شاعری میں مخدوم محمد معین ممتاز تھے اور 'بیراگی' تخلص کرتے تھے ۔ وہ گیت اور دوہروں میں بھی خاص دسترس رکھتے تھے ۔ محسن کو فارسی شاعری میں کمال حاصل تھا اور وہ میر محمود کی طرح امامیہ مذہب کے حلقہ بگوش تھے ۔ میر محمود غالباً انھی کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے اور انھی کی وساطت سے ان کو میاں نور محمد خدا یار خان والیِ سندھ کے دربار تک رسائی ہوئی ۔ ۱۱۶۷ھ میں میاں نور محمد فوت ہوئے تو لوحِ مزار کے لیے تاریخ میر محمود ہی سے لکھوائی گئی ۔

ز سالِ فوت چو تاریخ خواستم دل گفت
حبیب و نور محمد ولی خلد مکان

۱۱۶۷ھ

بناز مصرع تاریخ تازہ شد صابر
ہوا ز خلد وزیدہ بطرف مرقد آب

۱۱۶۱ھ میں مخدوم محمد معین 'بیراگی' فوت ہوئے تو میر محمود صابر نے ٹھٹہ میں اُردو شاعری کا چراغ روشن رکھا ۔ پرسرام فارسی

کے شاعر تھے اور 'مشتری' تخلص کرتے تھے - انھیں اُردو اور ہندی میں شعر کہنے کا شوق ہوا تو میر محمود کے سامنے زانوے تلمّذ تہہ کر کے 'بیربل' تخلص اختیار کیا -[1]

سنہ ۱۱۶۹ھ - ۱۱۷۴ھ میں ، جبکہ میر علی شیر قانع نے اپنا تذکرہ ''مقالات الشعرا'' مرتّب کیا ، میر محمود صابر کا شمار ٹھٹھہ کے معزّز اور باوقار لوگوں میں ہوتا تھا - صابر کی شعری کاوشوں کے بارے میں میر علی شیر قانع لکھتے ہیں :

''اکثر شہداء کی مرثیہ خوانی میں مشغول رہتے ہیں - ہندی اور فارسی میں متعدد دیوان ، مرثیے ، غزلیات اور مناقب لکھ چکے ہیں - ''روضۃ الشہدا'' کو بھی منظوم کیا ہے - سرعتِ فکر کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت تک تقریباً ایک لاکھ اشعار ان کی زبانِ فصاحت بیان سے نکل چکے ہیں اور ان کا کلام کافی مقبول ہے - یہ تخلص یعنی 'صابر' ان کو خواب کے ذریعے حاصل ہوا -''[2]

ہمارے سامنے صابر کا ایک اُردو دیوان موسوم بہ 'شوق افزا' موجود ہے جس میں شامل کلام کے انتخاب کی تکمیل ۱۱۸۱ھ میں ہوئی - ظاہراً یہ دیوان ان کے آخری دور کی تصنیف ہے :

شوقِ تاریخ تھا ز نو دیوان
تا رہے دوستاں کے پاس نشان

۱۱۸۱ھ میں وہ پیر مرد تھے - دیوان کے خاتمے میں خود

۱- مقالات الشعرا (مشتری) - ۲- مقالات الشعرا (صابر) -

کہتے ہیں :

وقتِ پیری ہے دستگیری کر
راہِ باقی دکھا کے پیری کر

اگر اس وقت ان کی عمر کم از کم ۶۵ برس مانی جائے تو ان کی ولادت اندازاً ۱۱۱۵ھ کے لگ بھگ ہوئی ہوگی - اور قیاس ہے کہ ۱۱۸۵ھ تک زندہ رہے ہوں گے -

بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں جن لوگوں نے سندھ میں اردو شاعری کا بول بالا کیا ان میں میر محمود صابر کا نام نمایاں ہے - ٹھٹہ میں ۱۱۶۱ تا ۱۱۸۱ھ کا دور میر صابر کا دور کہا جا سکتا ہے - ولی کو اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں - ولی فوت ہوئے اور میر محمود صابر جوان ہوئے ، گویا میر محمود کو متقدمین شعرائے دہلی کا ہم عصر ہونے کا فخر حاصل ہے - ۱۱۵۱ھ تا ۱۱۶۵ھ ، میاں نور محمد عباسی کے دور حکمرانی میں صابر ، ٹھٹہ کے زمرۂ شعراء میں اعلیٰ مقام حاصل کر چکے تھے - میر صابر کے زمانے میں ولی کی شہرت گجرات سے سندھ تک پہنچ چکی تھی - اس کی شہادت خود صابر کے کلام سے ملتی ہے - ولی کا کلام ان کی نظر سے گذرا تھا :

سن ریختہ **ولی** کا دل خوش ہوا ہے **صابر**
حقّا ز فکرِ روشن ہے **الوری** کے مانند

ولی کے تقدم اور شاعرانہ کمال کو مانتے ہوئے صابر بجا طور پر اپنے متعلق کہتے ہیں :

گر ریختہ **ولی** کا لبریز ہے شکر سوں
مضمونِ شعر صابر قند و شکر تری ہے

ہندوستان سے جو شاعر ٹھٹہ میں آتے تھے ان کی زبانی صابر کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے اشعار سندھ سے باہر دکھن تک مشہور ہو چکے ہیں ۔ کس مزے سے کہتے ہیں :

صابر سنا ہوں قافیہ سنجانِ ہند سوں
تجھ ریختہ کی دھوم پڑی ہے دکھن میں جا

اس میں کوئی شک نہیں کہ صابر بارھویں صدی کے نصف آخر میں اُردو کے ایک با کمال شاعر تھے ۔ دیوانِ ''شوق افزا'' کے موجودہ نسخے میں ان کے کلام کا ایک بڑا ذخیرہ شامل ہے جس میں چھ سو سولہ غزلیں ہیں ۔ چند غزلیں یہاں بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہیں :

تجا ہے جب سوں دل نے گل بدن کارن دیار اپنا
چو بلبل ڈھونڈتا ہے باغ اپنا ، گل عذار اپنا
ز حیرت دیدۂ حیراں نہ کھولوں غیر کے مکھ پر
چو آئینہ بچشمِ شوق دیکھوں گر نگار اپنا
منم وہ قمریٔ شیدا کہ اس سروِ خراساں بِن
جلاؤں نالۂ دل سوں چمن اپنا ، بہار اپنا
چو ذرہ لگ رہوں خورشیدِ عالم تاب کے پگ سوں
جو اس کی راہ پر دیکھوں غبار اپنا ، وقار اپنا
سوالی ہیں ترے درسن کے مشتاقان کیا[1] ہورے
کہ ہنس ہنس دیوے گھونگھٹ کا تصدق یادگار اپنا
شرابِ بےخودی دے دے مرا غم دور کر ساقی
کہ تجھ کوں بوجھتا ہوں مونس اپنا ، غمگسار اپنا

۱۔ 'کیا' سندھی لب و لہجہ میں استعمال ہوا ہے ۔

نہ کھولوں رات دن خورشید مہ اوپر نظر صابر
چندر مکھ سو دکھوں روشن جو چشمِ انتظار اپنا

آ نور ہو در دیدہ و دل چشم و نظر کا
تجھ مکھ کے اوپر وار سٹوں گنج گُہر کا

حیراں ہے ترا موے میاں دیکھ مصوّر
کس تاب سوں وہ پیچ لکھے موے کمر کا

تجھ لب کے مٹھائی کی چکھی چاشنی جس نے
شربت اسے تریاق ہوا قند و شکر کا

آئینہ میں مت دیکھ لٹاں چھوڑ کے مکھ پر
تا برج میں عقرب کے نہ دور آوے قمر کا

دھج چھور کمر کوں نہ کسیں شرم سوں بانکے
گر بات چلے بزم میں موہن کی اکر کا[1]

گر ہجر کی شبہا میں لیوے چشمۂ دل جوش
گنگا ہو بہے اشک مرے دیدۂ تر کا

ہر آہ مرا ناوکِ فولاد ہے صابر
ہووے گا کیا[2] حال رقیباں کے جگر کا

چاند سا دیکھ مکھ سُریجن کا
ترک دیکھن کیا ہوں درپن کا

راج کرتا ہے عشق بازی میں
جس نے پایا ہے دان درسن کا

۱۔ 'موہن کی اکر کا' یعنی غرور کا ۔
۲۔ 'کیا' کا تلفظ مقامی سندھی محاورے کی رو سے ہے ۔

کیوں نہ دل کوں صنم پرست کرے
کفر کی لٹ دکھا برہمن کا

بِس چڑھایا ہے دل کوں ڈس ڈس کے
گھاؤ کاری ہے لٹ کی ساپن کا

جب سوں بچھڑا ہے ہم سوں من موہن
ہر نفس زہر ہے مرے تن کا

کیوں نہ کاری گھٹا میں مینہ برسے
موسم آیا انجھوں کے ساون کا

من کے منکے کوں میں کیا درپن
ناؤں جپ جپ رسیلے موہن کا

تجھ تماشا سوں اے بہارِ نظر
ہوا آئینہ زیب گلشن کا

دل پپیہا ہے یاد میں تیری
سیر کا ڈال ڈال، بَن بَن کا

ماہ رویاں کے عشق کا صابر
مجھ کوں چسکا پرا ہے لڑپن کا

تجھ زلف کے پھندوں کو پکڑ کون سکے گا
اس زہر بھری لٹ کوں جکڑ کون سکے گا
ابرو کی کماں کھینچ جو توں کھولے گا گھونگھٹ
پلکاں کے خدنگ آگے ٹھہر کون سکے گا
ہیں کاتبِ قدرت خطِ یاقوت کے حیراں
تفسیر ترے حسن کی پر کون سکے گا

تجھ چہرہ کی نُک[1] دیکھ کلی شرم سوں بانکی
اُس طرّہ کی سج دیکھ اکڑ کون سکے گا

ہے فتنہ گری کام تری شوخ نگہ کا
غمزہ کے مقابل ہو جھکر کون سکے گا

ہر موج ہے تجھ عشق کے دریاؤ کی خونخوار
غیر از کششِ شوق کے تر کون سکے گا

تا عمر ہی تجھ در کے بھکاری ہو رہیں گے
اغیار سوں ہر بات میں لڑ کون سکے گا

صابر ہے ترے عشق میں مشہور وگرنہ
تجھ لیہہ میں دم عشق کا بھر کون سکے گا

کچھ سکھا شاہیں نگہ کوں دل اُپر کر کر کے چوٹ
مشق خونریزی کرے ہے ناز سوں گھونگھٹ کے اوٹ

عیدِ قرباں مجھ ہووے وہ دن کہ تجھ پگ پر ز شوق
سر فدا کر کر اتاروں بھار کا کاندھے سوں پوٹ

توں نہیں ملتا ہے ہنس ہنس آج مجھ سوں اے سجن
اب ہوا معلوم مجھ کوں کچھ ترے ہے من میں کھوٹ

جس نے کھائی ہے تری پلکاں کی دل اوپر سناں
تجھ قدم پر جاں فدا کر کر گرے ہے لوٹ لوٹ

کیوں نظر تجھ چاند مکھ پر عاشقاں کی پر سکے
زلف کے خط کی گھٹا نے ہر طرف باندھا ہے کوٹ

۱۔ نُک = نوک۔

آونے کی گر لے آوے میرے موہن کی خبر
تجھ کوں اے قاصد کھلاؤں گھی شکر سوں آج روٹ
نقد دل دے عشق کا سودا کیا ہوں **صابرا**
حق کی رحمت سوں نہ آوے گا مرے سودا میں ٹوٹ

رام ز من ہو نہ ہو مجھ سوں جدا ایک پل
ساتھ مرے آ نہ آ ہٹ اوپر اے مہ شکل
مجھ سوں کبھی مل نہ مل میرے رقیباں کے نال
درس مجھے دے نہ دے وعدہ کہ آ آج و کل
بات مری سن نہ سن غیر کے جھوٹے بچن
گھر میں مرے چل نہ چل اپنے کہے پر چنچل
یاد وفا لے نہ لے جور و جفا کا طریق
دل میں تمیا رکھ نہ رکھ بغض کہ ہووے خلل
گل سوں مرے لگ نہ لگ اور کے کہنے اوپر
کس نے کہا جا نہ جا ہمرہِ اہلِ دغل
دل میں گذر کر نہ کر اور طرف کا خیال
نورِ نظر رہ نہ رہ چشم سوں دور ایک پل
اوّلِ شب سو نہ سو، آخرِ شب **صابرا**
ذکر کا پھل لے نہ لے نیند کا آنکھوں میں پھل

اسیرِ حلقۂ زلفِ رسا ہوں
چو دل آشفتگی سوں مبتلا ہوں
چو آئینہ چندر مکھ جلوہ گر دیکھ
ز حیرت محوِ نورِ کبریا ہوں

نہ ہوں بیگانہ کیوں خلقِ جہاں سوں
سریجن کے تمیا کا آشنا ہوں

خمِ زلفِ شکن کے بوسہ کارن
کبھی شانہ، کبھی بادِ صبا ہوں

گل و بلبل ہیں خوش میری صدا سیں
ز بس از شوق گلرو خوش نوا ہوں

بہارِ رنگ و روئے عاشقاں دیکھ
چو گل مشتاقِ رنگِ کہربا ہوں

اگرچہ رند ہوں در عشقِ خوباں
ولے خوش ہوں کہ مست و بے ریا ہوں

کوئی زاہد کا، کوئی شیخ کا ہے
شہِ معجز نما کا میں گدا ہوں

کبھی خوش ہوں ز شوقِ وصل **صابر**
کبھی ناخوش ز ہجرِ دل ربا ہوں

نہیں دیکھا ہے جس نے دن کوں خورشید و ستارے کوں
گھونگھٹ کی جوت میں دیکھے سجن کے گوشوارے کوں

نین کا نور، دل کا حرز و تن کا جیؤ کر راکھوں
بکامِ خویشتن پاؤں جو من موہن پیارے کوں

تماشہ لالہ و گل کا سریجن کوں نہ خوش آوے
ز داغِ عشق دکھلاؤں اگر دل کے بزارے کوں

نہ ہوتا تھا جدا جوں نور مجھ انکھیوں سیں یک ساعت
نہ جانوں کس نے برمایا مرے حق کے سنوارے کوں

بچارے مردماں کا گھر کیا شک ہے کہ بہہ جاوے
ز جوشِ چشم و دل کھولوں انجھوں کے گر پھارے کوں
جگر ہے شمع و تن فانوس ہے ہجراں کی شبہا میں
ہووے پروانہ دل جل بل نکالوں گر شرارے کوں
گُہر انجھوں کے قرباں کر لٹاؤں اس کے پگ اوپر
جو کوئی وصل کی بتیاں سناوے مجھ بچارے کوں
رکھے جو عشق کے دریا میں بے مرشد قدم **صابر**
بہت مشکل ہے گر پہنچے سلامت اس کنارے کوں

پیم کے گھاؤ آج رستے ہیں
سرخ انجھوں کے مینہ برستے ہیں
چین کب آوے ان کوں سیج اوپر
جن کے پردیس پیؤ بستے ہیں
جیؤنا ان کوں زہرِ قاتل ہے
زلف کے ناگ جن کوں ڈستے ہیں
مکھ سوں گھونگھٹ اٹھا کہ مشتاقاں
دیکھنے کوں درس ترستے ہیں
قیمتِ ناز و غمزہ کر سو جاں
کہ کہیں عشق باز سستے ہیں!
دلِ مشتاق کھاوتی ہے لچک
ماہرو مُو کمر جو کستے ہیں
خوبرویاں کوں دل نہ دے **صابر**
طعنہ بیدرد دے دے ہنستے ہیں

مرا دکھ پوچھنے آوے سجن گر مہربانی سوں
بلیّاں لیئوں اس کے سر کی آٹھ آٹھ ناتوانی سوں

تصدّق جاں کریں مشتاق جوں فرہاد پل پل میں
اگر شیریں بچن ہنس ہنس کے بولے قدردانی سوں

سنا ہوں خضر کی معجز زبانی سوں کہ عاشق کوں
وصالِ یار بہتر ہے حیاتِ جاودانی سوں

زلیخا وار پیری میں ملی مجھ عشق کی دولت
جوانی میں لگایا نیہہ جب یوسف کے ثانی سوں

کرے جوں بانسلی گر نالہ و فریاد برجا ہے
پڑے سوراخ جس دل میں فراقِ یارِ جانی سوں

ز داغِ عشق میرا دل ہوا ہے جب سوں گلزاری
مرے رخسار کی زینت ہے رنگِ زعفرانی سوں

لیا ہے ہر کسی نے توشہ **صابر** راہِ باقی کا
محبت شاہ کی میں لے چلا ہوں ملکِ فانی سوں

دیتا ہے بادہ ساقی مینائے آتشی سوں
رکھتا ہے مست دل کوں گلرنگ بے غشی سوں

مشتاق کی منوّر ہووے نظر چو درپن
گھونگھٹ آلٹ دکھاوے گر چاند مکھ خوشی سوں

قمری کا نالہ سن سن شمشاد و گل ہے مائل
کب تک توں خم نہ ہوگی چوں سرو سرکشی سوں

مٹھلونی تیری بتیاں بھاتی ہیں مجھ سلونی
خوش رہوے گر سناوے ہنس ہنس نمک چشی سوں

ظاہر ہے تجھ چرن سوں ہر چند دور **صابر**
رہتا ہے پاس تیرے باطن میں دلکشی سوں

ستیاں کا عشق دیکھ کہ جلتی ہیں آگ میں
شاید لکھا ہے دھر سیں یہی ان کے بھاگ میں
کل رات سوں ہے رقص میں دل میرا شوق سوں
سن سن کے 'یار یار' مغنّی سوں ، راگ میں
شب زندہ رکھ کہ صبح کا دیکھیے ظہور و نور
سووے گا کب تلک کہ کہانی ہے جاگ میں
زاہد کی دیکھ گنبذِ دستار بھول مت
مکر و ریا کی پوٹ ہے سب اس کی پاگ میں
صابر مجھے قبول ہے کچکول فقر کا
الوان مزہ ہے جَو کی چپاتی و ساگ میں

ہنس ہنس دکھا کے لالہ عذار آرسی کے تئیں
مت کر ز داغِ عشق فگار آرسی کے تئیں
پھولن کے ہار ڈال کے موتن کی مال پر
زیور کا کر سنگار و سنوار آرسی کے تئیں
جھلکار سوں گھونگھٹ میں دکھایا ہے کیا ظہور
تجھ درس بن نہیں جو قرار آرسی کے تئیں
سنبل کی شاخ چھوڑ کے خورشید رو اوپر
کر گلشنِ نگہ سوں بہار آرسی کے تئیں
جب تک گھونگھٹ الٹ کے نہ دکھلاوے چاند مُکھ
ہرگز نہ جاوے دل سوں غبار آرسی کے تئیں

سرشار دیکھ تجھ نگہِ نشہ بخش کوں
ہے دیکھنے کا دل میں خمار آرسی کے تئیں
زلفاں کی لٹ کوں کھول کے چندر سے مُکھ اوپر
کر غمزہ و ادا سوں شکار آرسی کے تئیں
دیکھا ہے جب سوں مہ رخِ دلدار در نقاب
ہے چشم و دل کے آگے اندھار آرسی کے تئیں
مجلس میں دیکھ غیر کے گرو کوں **صابرا**
ہے چشم و دل میں ہر مژہ خار آرسی کے تئیں

سن کے موہن سوں خوش جوابِ سخن
دل ہوا میرا کامیابِ سخن
اہلِ معنی پسند کرتے ہیں
تازہ مضمون و انتخابِ سخن
خوش ہووے نغمہ ہائے رنگیں سوں
من ہرن گر سنے ربابِ سخن
فیض پاوے ز شہرِ علم کمال
ہرکہ از صدق پوچھے بابِ سخن
نو خط اُس مصحفِ جمالی کا
نقش دل ہے ز آب و تابِ سخن
نئے مضمون سوں خوش رکھوں خاطر
گر ملے شوخ، بے حجابِ سخن
کیا عجب ہے کہ گوشوارہ کرے
وہ سخنداں دُرِ خوشابِ سخن

شعر سن سن کے خوش ہووے موہن
کھولوں گر عشق کی کتابِ سخن
سِتر کوء و بکو ہووے ظاہر
صابرا گر اٹھے نقابِ سخن

چھورا ہے جب سوں زلف کا دل نے شکن شکن
آشفتہ رات و دن ہے ز شوقِ وطن وطن
پایا نہ چاند مکھ کے مقابل کا دل ربا
سب ہند و سند دیکھ کے ڈھونڈا دکھن دکھن
گھونگھٹ اٹھا کے جب سیں دکھایا ہے ماہ رو
روشن ہیں عاشقاں کے چو درپن تن تن
کس سروِ خوش خرام کی شیدا ہے فاختہ
کُو کُو پکارتی ہے کہ پھر پھر چمن چمن
تجھ غنچہ لب کی غنچہ کرے گر برابری
اس کا کرے نسیم پُر از خوں دہن دہن
دے دے شکنج زلف کوں بادِ صبا کے ساتھ
یوں مت لٹاؤ نافۂ مشکِ ختن ختن
صابر کی آرزو ہے کہ از شوق رات و دن
رہوے ترے حضور میں، پوجے چرن چرن

رہیں کل رات کی اب تک جو تجھ رہ میں کھلی اکھیاں
انجھوں کے جوش سوں گنگا ہو جمنا بہہ چلی اکھیاں
برہ کی رین میں دل دیکھ روشن غم کی آتش سوں
انگاروں کے اوپر تا صبح تجھ بن تلملی اکھیاں

ہوا جب سوں جدا توں مجھ نظر سوں اے گلِ خوبی
جگر پر داغ کھا جوں لالہ خوں رو رو گلی اکھیاں
نہ چندر دیکھتی ہیں ، نے ستارے ِبرہ کے دکھ میں
کہ ہیں تجھ وصل کی شبہا میں درسن کی بلی اکھیاں
کیا ہووے کبھی نورِ نظر بخشے ، کہ صابر نے
رکھیں ہیں تیرے دیکھن کوں جو درپن صیقلی اکھیاں

گھونگھٹ میں چاند مکھ ڈھانپو گے کب لگ اے سجن سمجھو
ترپتے ہیں درس کوں پاک بازاں کے نیَن سمجھو
رقیباں ساتھ ملنا ، سیر کرنا ، باغ میں جانا
نہیں لایق کہ گلرویاں کی خواری ہے سجن سمجھو
مبادا نرگسِ بیمار و گل کی چشمِ بد لاگے
نہ جاؤ ہر گھڑی گلزار میں شہلا نیَن سمجھو
مُقیشی باندھ کے ٹُکدار پھینٹا گھر سوں مت نکلو
کہ عاشق آپ میں کٹ کٹ مریں گے من ہرن سمجھو
نہیں آشفتگی کی تاب دل ہاے پریشاں کوں
صبا کے ہاتھ مت دو حلقۂ زلفِ شکن ، سمجھو
دلاں میں عقدۂ مشکل پرے ہیں عشق بازاں کے
کرو حل من کی گُھنڈی کھول کے ، پستہ دہن سمجھو
درس کے شوق ہے صابر مقیمِ کلبۂ احزاں
چندر مکھ سوں کبھی روشن کرو بیت الحُزن سمجھو

لیتں دریا ہووے رو رو ، اِدھر سوں یو آدھر سوں وو
بھر گنگا و جمنا ہو ، اِدھر سوں یو آدھر سوں وو

پتنگ و شمع نیت آویں ، بِرہ کی آگ سلگاویں
دل و جاں میرا بھڑکاویں ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

پیا بن جوبنا روسے ، بِرہ خوناب دل چُوسے
غم و اندوہ گھر مُوسے ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

درس کوں چشم و دل ترسیں ، انجھوں کی بدلیاں برسیں
اٹھیں آہ و فغاں گھر میں ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

نظر دیدار کوں بھٹکے ، مِلن کوں جیؤرا پھٹکے
عجب ہیں عشق کے لٹکے ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

نہ پوچھے کوئی دکھ میرا ، چندر مکھ بِن ہے اندھیرا
الم نے ، غم نے آ گھیرا ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

کہوں گر درد و دکھ اپنا ، چھپاوے شوخ مکھ اپنا
تجا ہوں چین و سکھ اپنا ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

چمن میں قمری و بلبل ، خزاں نے دیکھ سرو و گل
سناتے ہیں فغان و غُل ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

خوشی رہ **صابر** و خرّم ، فراق و وصل میں ہردم
اگر ہے عیش یا ہے غم ، ادھر سوں یو اُدھر سوں وو

کوئی من ہرن کوں جاں کہے ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی دیں کہے ایماں کہے ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

کوئی دل ربا جانی کہے ، کوئی یوسفِ ثانی کہے
کوئی حرزِ ایمانی کہے ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

کوئی وارثِ منبر کہے ، کوئی ساقیٔ کوثر کہے
کوئی حیدرِ صفدر کہے ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

کوئی تازہ رو کوں گل کہے ، کوئی زلف کوں سنبل کہے
کوئی خال کوں بلبل کہے ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی لالہ رخساری کہے ، کوئی چہرہ گلنــــاری کہے
کوئی زیبِ گلزاری کہے ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی مجھ کوں کہوے ہے گدا ، کوئی کہوے ہے شہ پر فدا
درسن کا رکھتا ہوں صدا ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی عشق کا مجنوں کہے ، کوئی خستہ و محزوں کہے
کوئی صابرِ ہاموں کہے ، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

۴

میر حفیظ الدین علی

(۱۱۲۰ھ؟ — ۱۱۹۰ھ؟)

میر حفیظ الدین بن میر حافظ الدین ، میر حیدر الدین ابو تراب ’کامل‘ کے بھتیجے تھے اور ’کامل‘ کے تمام کمالات آپ کی ذات میں موجود تھے ۔ میر حفیظ الدین نے اعلیٰ طبیعت پائی تھی ۔ ’علی‘ تخلص تھا ۔ میر علی شیر قانع کی رائے میں ’ہندوی‘ شاعری میں ’علی‘ گویا خسروِ ثانی تھے اور ایہام گوئی میں ان کو کمال حاصل تھا :

”اغلب کلامِ وی در ہندوی طرز ایہام واقع ، اما چہ ایہام
کہ از دو سہ و چہار و پنج معنی ہم گاہی گاہی تجاوز دارد ۔“[۱]

یعنی کہ ’ہندوی‘ (اردو) میں ان کے کلام کا بیشتر حصہ صنعتِ ایہام پر مشتمل ہے ، اور ایہام بھی ایسا کہ جس میں دو دو چار چار بلکہ پانچ پانچ معانی سے بھی زیادہ پائے جاتے ہیں ۔

قانع نے آپ کے ”دو بیت ۔ ایہامِ ہندی“ نقل کیے ہیں جو کہ

۱۔ مقالات الشعرا ، صفحات ۱۸۱ - ۱۸۲ (۱۹۸ - حفیظ الدین) ۔

ان کی رائے میں ”عام فہم“ ہیں ، حالانکہ اس وقت ان کا سمجھنا اتنا آسان نہیں :

(۱)

آچار ہوا کھٹا ، پاپڑ بنی ہے مچھی
سر کہ بنا تو آکے سونی سلونی اچھی ![1]

ظاہر میں تو آچار ، کھٹا ، مچھی اور سلونی (نمکین) کے الفاظ کھانے پکانے سے تعلق رکھتے ہیں ، مگر صنعتِ ایہام کی وجہ سے اس شعر کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ :

(محبت کا) معاملہ (آچار) اتنا بڑھ گیا ہے کہ میں جو مثلِ ماہیِ بے آب تھا ، اب پاپڑ کی طرح خستہ بن گیا ہوں - اب اے حسنِ ملیح والی محبوبہ ! تو آ کر مجھ کو اپنے راز (سر) والا بنادے !

(۲)

پیلی ہے کیوں کناری ، سونا نہیں سہر کا
چونی بجھی ہیں باتیں ، موتی تو دیکھ لر کا[2]

پیلی کناری ، سہر کا سونا ، چونی (دوپٹہ) اور لر کا موتی لباس کی زیبائی سے تعلق رکھتے ہیں - مگر از روے صنعتِ ایہام اس شعر کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ :

اے حسین محبوبہ ! تیرے رخ کا رنگ سنہری ہے حالانکہ وہ سونا نہیں ہے - تیری باتیں جو منہ سے نکلتی ہیں وہ

۱- مطبوعہ متن میں اصل الفاظ : 'لیئی ہے' اور 'سوئی سلونی' -
۲- مطبوعہ متن میں اصل الفاظ : 'چونی پھوچی ہے باتیں' -

چونے میں بجھی ہوئی یعنی سخت اور تیز ہیں ، مگر ان کے
بالمقابل اپنے موتیوں جیسے سجے ہوئے دانت تو ملاحظہ
فرما (کہ ایسے موتی مثل زیب دار دانتوں سے ایسی باتیں
کہیں زیب دیتی ہیں ؟)

۵

روحل فقیر

(۱۱۳۲ھ؟ — ۱۱۹۴ھ؟)

روحل خاں بن شاہو خاں 'زنگیجہ' بلوچ خانوادے کے چشم و چراغ تھے جو بلوچوں کے 'جتوئی' قبیلے کی ایک شاخ ہے۔ آن کے والد شاہو خاں سندھ کے کلہوڑہ (عباسی) خاندان کے سربراہ میاں دین محمد (المتوفی ۱۱۱۱ھ) سے وابستہ تھے۔ بعد میں ترقی کر کے ان کے امرا میں داخل ہوئے اور میاں نور محمد کی تخت نشینی (۱۱۳۱ھ/۱۹-۱۷ع) کے بعد شاہو خاں عمرکوٹ کے علاقے میں متعین ہوئے۔ انھوں نے ''پدماد جی بھٹ[1]'' گاؤں میں سکونت اختیار کی، جہاں پر سنہ ۱۱۳۲ھ کے لگ بھگ ان کے صاحبزادے روحل خاں پیدا ہوئے:

سیلے سنگی، ست ساتھی، پرگھٹ آئے
پورن ماس چکور آیا، گھر شاہو کے پائے

(روحل)

۱۔ یعنی ''پدماد کا ٹیلہ''۔ یہ گاؤں عمرکوٹ اور کھاروڑے کے درمیان واقع تھا۔ اب تک وہاں ایک پکا کنواں باقی ہے جو 'روحل جی وان' (روحل کا کنواں) کے نام سے مشہور ہے۔

روحل خاں کو اس زمانے کے دستور کے مطابق اچھی تعلیم ملی ۔ سنہ ۱۱۳۰ھ میں میران پور (عرف 'جھوک' موجودہ ضلع ٹھٹہ) کے مشہور صوفی بزرگ شاہ عنایت اللہ کو حکومت کے کارپردازوں نے شہید کروا دیا تھا ۔ روحل خاں کے عنفوان شباب میں اس بزرگ کی شہادت کے حادثے کا بڑا چرچا تھا ۔ صوفی شہید کے دو فرزند سلام اللہ شاہ ادر عزت اللہ شاہ اپنے وقت کے صوفی درویش تھے اور روحل خاں ان کی طرف روحانی تربیت کے لیے رجوع ہوئے ۔ وہ میران پور میں جا کر شاہ عنایت اللہ کے مزار پر معتکف ہو گئے اور ان کے فرزند صوفی عزت اللہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے ۔ دوسرے بھائی صوفی سلام اللہ جب سندھ کے مشرق ریگستانی علاقے 'تھر' کی طرف سیر و سیاحت میں مشغول تھے تو غالباً ایک عرصے تک روحل فقیر بھی ان کے ساتھ رہے ۔ اس خطے کے عوام نے ان کی بڑی عزت کی اور یہاں رہ کر انھوں نے ڈھاٹکی ، مارواڑی اور ہندی زبانوں میں بھی اچھی خاصی استعداد حاصل کر لی ۔

میاں غلام شاہ عباسی کے دور (۱۱۶۱ — ۱۱۸۶ھ) میں روحل خاں کو ان کے والد کی خدمات کے صلے میں سرکاری عہدے پر فائز کیا گیا اور وہ توشہ خانے کے مہتمم مقرر کر دیے گئے ۔ کچھ عرصے کے بعد جب وہ اس عہدے سے مستعفی ہو گئے تو ان کو جیسلمیر ، جودھپور اور بیکانیر کے علاقے میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان علاقوں میں ان کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور وہ وہاں کی زبانوں پر بھی حاوی تھے ۔ روحل خاں نے اپنے منصب کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ روحانیت کا پیغام بھی ان خطوں کے راجاؤں اور عوام تک اپنی ہندی شاعری کے ذریعے پہنچایا ۔ جودھپور کے راجا بجیہ سنگھ ان کی

دانش مندی اور درویشانہ صفات سے متاثر ہوئے اور روحل خاں کو ایک مدت تک جودھپور میں رکھا ۔ اس عرصے میں درباری پنڈت ایسر سنگھ اور دوسرے پنڈتوں سے ان کے مناظرے ہوتے رہے ۔ راجا بجیہ سنگھ کے دربار میں پنڈت ایسر سنگھ نے جو ان سے سوالات کیے ، ان کو اور اپنے جوابات کو روحل خاں نے ''اگم وارتا'' کے عنوان سے منظوم کیا ۔

جودھپور میں قیام اور ان اطراف میں سیر و سفر کے دوران میں متعدد رجواڑے اور وہاں کے عوام روحل خاں کے معتقد ہو گئے ۔ بالآخر وہ اپنے مرشد صوفی عزت اللہ اور صوفی سلام اللہ شاہ سے دوری کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر میراں پور پہنچے ۔ کچھ عرصے کے بعد صوفی سلام اللہ شاہ اپنے آبائی وطن میراں پور عرف جھوک کو خیرباد کہہ کر سندھ کے مشرق ریگستانی علاقے میں 'ڈیرا تھر' کے ٹیلے (حدودِ خیرپور) پر آ کر ہمیشہ کے لیے سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں وفات (۲۵ ذی الحجہ ۱۱۸۳ھ) پائی ۔ غالباً اسی وجہ سے روحل فقیر بھی اپنے عزیزوں کے ساتھ 'پدماد کے ٹیلہ' کو چھوڑ کر 'کوٹلہ' (نزد کوٹ ڈیجی ، حدودِ خیرپور) میں آباد ہو گئے ۔ پھر وہاں سے منتقل ہو کر 'کنڈڑی' میں سکونت اختیار کر لی ۔ ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۸۷ھ کو ان کے مرشد عزت اللہ شاہ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا تو روحل فقیر کنڈڑی میں گوشہ نشین ہو کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے ، جہاں پر سنہ ۱۱۹۴ھ کے لگ بھگ وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے ۔ ان کا مزار مرجعِ خاص و عام ہے ۔

روحل نے اپنی شاعری کو تزکیۂ نفس ، توحید ، نفی و اثبات اور ہمہ اوست کے نظریوں کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ۔ سرائیکی ان کی

مادری زبان اور سندھی علاقائی زبان تھی - ان دونوں زبانوں میں انھوں نے 'بیت' اور 'کافیاں' کہیں - چونکہ روحل نے ایک مدت تک سندھ کے ریگستانی علاقے تھر ، جیسلمیر اور جودھ پور میں سیر و سیاحت کی تھی اس لیے وہاں کی ہندو قومیں خصوصاً میگھواڑ اور راجپوت ان کے مرید ہوگئے - اپنے ان معتقدوں کی رہنمائی کے لیے روحل نے 'ہندی' میں شاعری کی اور ہندی رس کے دوہا ، چوپائی ، شبد وغیرہ تمام اصناف میں شعر کہے ، جن کو ''اگم وارتا'' ، ''سرب گیان'' ، ''من پربودھ'' اور ''اد بھت گرنتھ'' وغیرہ عنوانات کے تحت ایک ضخیم جلد میں جمع کیا گیا ہے -[۱]

روحل نے اپنے ہندی کلام میں توحید اور تصوف کے نکات کو اجاگر کیا ہے - خطۂ سندھ میں روحل غالباً پہلا شاعر ہے ، جس نے 'ہمہ اوست' کے جذبے سے متاثر ہو کر 'خودی' کا نعرہ بلند کیا - اس سلسلے میں وہ سچل کے پیش رو ہیں - روحل کہتے ہیں :

باپ میرا شاہو ناہیں ، اس گھر ناہیں مات
جننے ہم جایا نہیں ، کال ورن نہیں جات

نہیں **روحل** نہیں ذات زنگیجہ
اے کـو سـرّ الٰہی ہے

سلوک اور شاعری میں وہ 'کبیر' کے مقام سے بخوبی واقف تھے اور

۱- جس میں روحل ، مراد اور اس خاندان کے دوسرے شعرا کا کلام شامل ہے - اندازاً ۱۹۲۰ع کا لکھا ہوا ایک نسخہ راقم نے سنہ ۱۹۴۴ع میں سجادہ نشین فقیر غلام علی کے یہاں کنڈڑی میں دیکھا تھا - روحل کے سندھی اور سرائیکی کلام کا کافی حصہ کتاب ''کنڈڑی وارن جو کلام'' (سندھی ادبی بورڈ) میں چھپ چکا ہے -

خود کو 'کبیر' کا ہمسر سمجھتے تھے ۔ ایک شبد میں کہتے ہیں :

مطلع : ہوں میں سکل سوں نیارا
میں داس کبیر کہایا

مقطع : کہت **روحل** ہم **روحل** ناہیں
کبیر روپ ہمارا

یہاں پر ہم روحل کے ہندی کلام سے کچھ انتخاب دے رہے ہیں :

صفت کرو سبحان کی ، جو آد انت مدھ ہوئے
سو ایک ایک اکھنڈ ہے ، اور نہ دوجا کوئے

ایک ہی اکھر ارتھ لے ، نہیں کوئی اکھر انیک
اے من بھولا مت پھرو ، ہے انت جگ گرو ایک

جنم جنم کا دکھ مٹا ، اور جنم جنم کو پاپ
سب تن پاون ہو رہیا ، جب درسیو آتم آپ

'الف' ایک الکھ ہے جوئی　سب گھٹ بھیتر دیکھیا سوئی
جیاں دیکھوں تیاں نرمل نور　سرب نرتر ہے بھرپور
'ب' بادل بن برسے دھار　بجلی چمکے انت اپار
پیوے امرت پریمی پورا　پہنچے تیاں کوئی ورلا سورا

لکھ بید پران انیک پڑھے ست سنگ بنا رنگ لاگے ناہیں
سو محب کا مکھ نا دیکھ سکے جو دوئی کی نیند سے جاگے ناہیں
لل یار وصال نہ تھیوے جیہی موہ کے روگ کو تیاگے ناہیں
روحل مشق میدان محبت ، سورھیہ سو مڑ بھاگے ناہیں

اپنا روپ پہچان ، سمجھ من درسن پیکھی
جیسے شنکھ آجا سنگ ڈولے
آپ نہ چینے بھری بھولے
جانت ہوئے آجان
کھستوری بس مرگھ کے مانہیں
بن ٹھن ڈھونڈھے سولگے تانہیں
ہوئے رہیا حیران
جن تم کو نشچے کر جانیا
رمتا رام سکل گھٹ مانیا
سو سادھو پروان
تین لوک میں تمرا واسا
کاہے بھرت ہوئے آداسا
جان سکے تو جان
میری پریت صاحب سنگ لاگی
روحل بھیت بھرم کی بھاگی
آتم میں غلطان

ستگر جی میں سرن تمھارے آیا
من میں ممتا رہی نہ کائی ، درد مٹیا سکھ پایا
گیان سورج گھٹ بیتر ہویا اکھنڈ جوت رنگ لایا
جس کارن جگ پھرت آداسی سو گھٹ بیتر پایا
جنم مرن کا سنسا بھاگا چیتن سوں چت لایا
پارس سے جب پرچا لاگا لعل امر بھئی کایا

اگم دیس کو انتر مارگ ستگر موہ بتایا
روحل رتن امر لک ملیا ، بھاگ پراپت پایا

کاہے پھرو بنواس

شبد کی سادھو کر سمرنا ، بچن کا کر پاس
بھؤ ساگر پار ترن کو ، جپ ساسوں میں ساس
کوئی پھرت مکتے ماہیں ، کین کوں گنگا پاس
شنگھ بھوکا جے پھرے ، مول نہ کھاوے گھاس
تیرا صاحب تجھ ہی ماہیں ، تم تجو اور آس
سر دئے صاحب ملے ، اچرج اچنبا ہاس
ستگر **روحل** ہم کوں ملیا ، کٹی جسم کی پھاس
دن میں رین میں مجھ کو رہے تیرے چرن کی پیاس

✡ ✡ ✡

٦

مراد فقیر زنگیجہ

(۱۱۴۲ھ؟ — ۱۲۱۱ھ)

مراد خاں بن محمد حیات 'زنگیجہ' بلوچ تھے ۔ ان کی ولادت سنہ ۱۱۴۲ھ (۲۹-۱۷۲۹ء) کے لگ بھگ 'پدماد جی بھٹ' (پدماد کا ٹیلہ) گاؤں میں ہوئی ۔ سرائیکی ان کی مادری زبان تھی اور سندھی علاقائی ۔ فارسی میں بھی تعلیم حاصل کی اور قریبی ماحول کی وجہ سے مارواڑی اور ہندی بھی جانتے تھے ۔

مراد خاں اپنے رشتہ دار روحل خاں سے بہت محبت کرتے تھے اور غالباً ان کا اور روحل خاں کا ایک ہی خاندان تھا ۔ البتہ وہ روحل سے عمر میں چھوٹے تھے ۔ دونوں نے 'پدماد کے ٹیلہ' کے ریگستانی گاؤں میں پرورش پائی تھی اور ایک مدت تک یہ ان کا وطن رہا ۔ ان صحبتوں کی مسرتوں کی یاد میں مراد کی ایک سندھی بیت میں اشارہ پایا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ :

"پدماد کے کریڑوں کے پھول زیادہ خوش ذائقہ ہیں ۔
ان کے مقابلے میں ہالار علاقے کی اشیاء ھیچ ہیں ۔ اگر دوست
ہم صحبت ہوں تو دکھ کے دن یاد بھی نہ آئیں ۔"

بعد میں مراد خاں نے اپنی بیٹی کا رشتہ روحل خاں سے کردیا

اور ان کے بطن سے خدا بخش اور دریا خاں پیدا ہوئے ، جن میں سے دریا خاں سندھ کے مشہور کافی گو شاعر گزرے ہیں ۔ جب تک روحل خاں زندہ رہے ، مراد کا ان سے قریبی تعلق رہا ۔ ان ہی کی صحبت میں انھوں نے فقیری اختیار کی ۔ غالباً دونوں ایک ساتھ ہی 'پدماد' سے ہجرت کر کے 'کوٹلہ' میں آئے ۔ بعد میں روحل فقیر نے جا کر 'کنڈڑی' کو بسایا مگر مراد فقیر 'کوٹلہ' میں ہی مقیم رہے ۔

کلہوڑہ خاندان کے زوال کا زمانہ ایک پرآشوب تاریخی دور تھا ۔ جب آخری کلہوڑہ حکمران میاں عبدالنبی نے والیِ افغانستان تیمور شاہ سے مدد طلب کی تو سردار مدد خاں افغان ان کے ساتھ آیا ، جس نے آ کر سندھ میں کشت و خون اور آتش زنی جیسے مظالم کیے ۔ اس حادثے (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ع) سے متاثر ہوکر مراد فقیر کلہوڑوں سے بیزار ہوگئے اور تالپوروں کے حامی بن گئے ۔

اپنے ایک شعر میں انھوں نے مدد خاں کو مار کر سندھ سے باہر نکال دینے کی ترغیب دی : "مار 'مدد' کوں دور کرو ، چھوڑ ونجے یہودی یزید میاں" ۔ کلہوڑوں کی شکست کے بعد جب تالپور برسرِ اقتدار آئے تو مراد فقیر نے اپنی سندھی بیتوں میں تالپوروں کو دعائیں دیں ۔

میر سہراب خاں تالپور والیِ خیرپور نے مراد فقیر کی بڑی عزت کی ۔ مراد فقیر کا انتقال 'کوٹلہ' میں سنہ ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ع) کے لگ بھگ ہوا اور وہیں دفن ہوئے ۔

روحل خاں کی طرح مراد فقیر بھی ایک صوفیِ باصفا ، درویش اور وجودی فلسفے کے قائل یعنی ہمہ اوست نظریے کے حامی تھے ۔ اپنی شاعری میں انھوں نے ان نظریوں کی تبلیغ اور ہوس و تزویر اور ریاکاری کی مذمت کی ہے ۔

مراد فقیر سرائیکی زبان کے فصیح ترین شاعروں میں سے ہیں ۔ آنھوں نے فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور مارواڑی اور سندھی آمیز ہندی میں بھی دوہرے ، کبت اور بھجن کہے ہیں ۔ روحل خاں اور مراد کے اشعار، جو ہندی بحور و اوزان میں ہندی ہی کے اصنافِ سخن پر مشتمل ہیں ، اُردو کے ابتدائی ارتقائی دور یعنی 'دور ہندی' کا ایک مثالی نمونہ ہیں :

دوہرے

ستگُر گیانی بھیٹیا سنسا رہیا نہ کوء
بھرم مٹاوے جَم ٹُرے ، آواگون نہ ہوء

سکھ تیرے سہ بہار ہے چنتا کرو مت کاء
جو تم پوچھو چاہ سوں سو سبھ دیؤں بتاء

کہو پربھو ہم کون ہوں ، کیم آیو سنسار
چوراسی لکھ جات کمِ جو لیوت ہے اوتار

نا کوئی جئے ، نا کوئی مرے ، جوتی جوت سماءِ
جیسے جل ترنگ پھرے ہیرا جل مل کاءِ

پریم گنگ من جب بھیو تب اور کچھو نہ سہائے
ُستر کلتر مـال دھن سبھی تجھے سرائے

چوپائیاں

گُر کِرپا تے کال نہ کاء
جنم مرن کا سنسا جاء
ہم تِس ستگُر کی بلہاری
بھرم مراد مٹاوے بھاری

نہ کبھو آوے نہ کبھو جاوے
آپ ہیں میں پھر آپ سماوے
جیوں ساگر پر ایک ترنگا
اِت اِک اور جوا جو رنگا

پریم بنا کچھ بھگت نہ ہوء
پریم بنا کچھ ایک نہ دوء
پریمی ہووے پرچار پاوے
پریم الکھ مراد لگاوے

پریم بنا جو بھگت کہاء
سو تو کبھوں مُکت نہ پاء
پریم بنا سبھو کرم کے کیڑے
کہت مراد مایا موہ پیڑے

چھ پائی

دھن گُر ستگُر سونے لاگے
جور کہے کر تن کے آگے

تم دھن ونتی دین دیال
ہم اَدھین ہوں نیٹ کنگال

تم ست پارس ہم ہوں لوہ
کر کرپا سنگ لاوو موہ

چھند سوئیے

جے جن نام ، جپے نہیں رام ، پڑے کوپ کام ، مایا مدھ ماتے
جیسے بھرتار ، کُلچھن نار ، تجھے مُکھ چھار ، اوران سنگ گھاتے
سا کُل لجائے ، دکھی دکھ پائے ، پیچھے پچھتائے ، موئی بھلے تاں تے
کہت **مراد** ، سوئی دھن سادھ ، جو لائے سادھ ، ہری رنگ راتے

پریت کی ریت ، ابھے میرے میت ، جیسے من جیت کے منچھا مارے
آئی تب چیت ، پوری پرتیت ، مٹے سبھ دویت ، جو وست وچارے
بھیو نردوکھ ، نہ ہرکھ نہ سوکھ ، نہ بندھ نہ موکھ، نھی گھٹ دھارے
جس سادھ سادھ **مراد** آئی تس بل ہوں بل ہوں بلہارے

شبد

سکھی ری چلو پیا کے دوار
پریم کو بادل امیں رس برسے ، رم جھم امرت دھار
گگن منڈل انحد گرجے ، ڈھ ڈس میگھ ملار

نرمل نیر نام سوں سمجھے ، من کو میل آتار
چت من چیتن بجلی چمکے ، پرگھٹ جوت اپار
پیوت سانت بوند سکھ آپجے ، تجیئے سکل وکار
چرن کنول کی سیوا کریئے ، مانگوں دان دیدار
کہت مراد یہ مکت کو مارگ ، چین لیو تنت سار

☆ ☆ ☆

۷

شاہو خان زنگیجہ

(۱۱۶۵ھ؟ — ۱۲۳۰ھ؟)

روحل خان نے جو پہلی شادی کی تھی ، اُس سے ان کے دو صاحب زادے شاہو خان اور غلام علی پیدا ہوئے - شاہو خان بڑے تھے - ان کی تعلیم و تربیت ان کے والد کے یہاں ہوئی اور انھی کی صحبت میں وہ تصوّف کی طرف مائل ہوئے اور فقیری اختیار کی - سندھی ، سرائیکی اور ہندی کے شاعر تھے - ایک دن اپنے والد سے اس طرح مخاطب ہوئے :

گُر پُری کم جانیا ، کبدھ پری پہچھان
شاہو اب عرض کرے ، دیئو سرب گیان
گیان بنا گم کم پڑے ، جب ستگر کہہ سمجھاء
شاہو پر دیــا کرو ، دیئو ترت دکھاء

یعنی : ''گُرو نگر (مرشد کے مسکن و موقف) کو کم سمجھا ، البتہ جہل کی پہچان حاصل ہوگئی - شاہو کی گذارش ہے کہ آپ صحیح گیان (علم) عطا فرمائیں - (کیونکہ) گیان کے بغیر بوجھ کم پڑتی ہے ، جب تک کہ سچا مرشد سمجھا کر تعلیم نہ دے - 'شاہو'

پر کرم فرما کر جلد رہبری فرمائیں ۔''

ستگُر پُری پرس ہے ، سدا بے پرواہ
روحل ! او راجا بھئے ، راجن کے پتشاہ
اننگ اکشر نہ ملے ، نین نین بھرپور
روحل بچن بولیئے ، کر چگے ہنسا سور

یعنی : ''سچے مرشد کے مسکن اور موقف والا مرد باہمت اور بے پرواہ ہے ۔ روحل کہتا ہے کہ وہ راجا بلکہ راجاؤں کا راجا ہے ۔ ہوس اس کے یہاں قطعی نہیں ۔ اس کی آنکھیں حقیقی محبت سے بھرپور ہیں ۔ روحل نے موتیوں جیسے بول بولے ہیں جو ہنس کے چگنے کے قابل ہیں'' (یعنی داناؤں کے سمجھنے کے قابل ہیں) ۔

☆ ☆ ☆

۸

شیخ ورو

(۱۲ صدی ، نصف اول)

شیخ ورو شہر ٹھٹہ کے منصب داروں میں سے تھے - ابھی وہ جوان تھے کہ نواب سیف اللہ خاں کے عہد (۱۱۳۷ھ - ۱۱۴۲ھ) کے آخری حصے میں قتل کے الزام میں مارے گئے - بقول میر علی شیر 'قانع'[1] شہر ٹھٹہ کے مفتی کی ہجو میں انھوں نے بہت کچھ لکھا جس میں سے ایک غزل کا مطلع یہ تھا :

الا یا ایّھا المفتی ! شدہ ریشِ تو جنگل ھا
اکھاروں بال یک یک کر ، بناؤں خوب کمّل ھا

☆ ☆ ☆

۱- مقالات الشعرا ، (۶۹۷ - ورو) ، ص ۸۲۸ -

۹

سیّد ثابت علی شاہ ثابت

(۱۱۵۳ھ — ۱۲۲۵ھ)

ثابت علی شاہ ابن مدار علی شاہ المتخلص بہ 'ثابت' ۱۱۵۳ھ میں سیوہن شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں انھوں نے قرآن شریف کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ملتان ہی میں رہتے ہوئے ایک سیلانی فقیر کے مرید ہوگئے جو سیوہن (سندھ) کے رہنے والے تھے۔ کچھ عرصے بعد وفورِ عقیدت مندی کے باعث سندھ میں سکونت کرنے کے متمنی ہوئے اور بالآخر ٹھٹہ میں ملازمت کر لی۔ یہاں سے وہ سیوہن آ کر اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بالآخر ہمیشہ کے لیے وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ ترکِ سکونت کرنے کی وجہ سے ان کے والد اور بھائی بھی ملتان کو خیرباد کہہ کر سیوہن پہنچ گئے۔

سیوہن میں ثابت علی شاہ درگاہ سیوہن شریف کے سجادہ نشین سیّد اسد اللہ شاہ سے وابستہ ہوگئے اور ان کی مجلس میں ''روضۃ الشھدا'' پڑھنے لگے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مخدوم محمد احسان سے عربی پڑھی اور تفسیر، حدیث اور فقہ میں مخدوم محمد مراد واعظ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ شاعری میں مخدوم نورالحق سے

اصلاح لینے لگے - اس کے بعد ٹھٹہ کے مشہور شاعر میاں غلام علی 'مداح' ابنِ محمد محسن سے ملاقات ہوگئی جن سے صاحب زادہ محمد سرفراز عباسی کے ساتھ وہ غزلوں اور قصیدوں میں اصلاح لینے لگے -

تالپور حکمرانوں نے ثابت علی شاہ کی قدردانی کی اور از راہ نوازش سیوہن شریف سے حیدرآباد بلا لیا ، جہاں پر وہ خوش حال زندگی بسر کرنے لگے -

سیّد ثابت علی شاہ نے بہتّر (۷۲) سال کی عمر میں بتاریخ ۲۷ جمادی الثانی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ع سیوہن شریف میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے -

سیّد ثابت علی شاہ فارسی اور سندھی کے پُرگو شاعر تھے - سندھی میں مرثیہ گوئی کی بنا ڈالنے کا سہرا انھی کے سر ہے - ان کے مرثیے سندھی ادب میں اہم حیثیت رکھتے ہیں - وہ فارسی زبان کے صاحبِ دیوان شاعر تھے اور اردو سے بھی انہیں خاص ذوق تھا - "فارسی سے اچھی خاصی واقفیت پیدا کرنے کے بعد ان کو فارسی اور ہندی (اردو) اشعار پڑھنے کا شغف ہوا - سیّد صابر علی شاہ کی نظمیں پڑھتے پڑھتے ان کو شعرگوئی کا شوق پیدا ہوا اور مشہور ، بڑے شعرا کی نظموں ، نعتوں اور مرثیوں کے تتبع میں وہ شعر کہنے لگے[۱] -" ان کے فارسی دیوان کے ایک قلمی نسخے میں ان کا کچھ اردو کلام بھی محفوظ ہے[۲] - ان کی ایک منقبت (مسدس) کے

۱- محمد صدیق میمن : سندھی ادب کی تاریخ ، جلد اول ، حیدرآباد ۱۹۳۷ع ، صفحات ۳۴۵ - ۳۴۶ -

۲- مرزا گل حسن مرحوم نے اس دیوان کو خود دیکھا اور وہاں سے یہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اشعار ملاحظہ ہوں :

اے حق کے ولی ابنِ علی میری مدد کر
ہر وقت خفی اور جلی ، میری مدد کر
تجھ بابا کے حق ناد علی میری مدد کر
سائل ہوں کھڑا تیری گلی میری مدد کر

ابنِ علی ، اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرتِ عبّاس علی میری مدد کر

ثابت علی ، اے شاہ ! ترے در کا گدا ہے
زوّار ترا تجھ پہ دل و جان سیں فدا ہے
حسنین کا صدقہ مری ہردم یہ صدا ہے
کر مہر سیں مقبول جو مجھ دل کی دعا ہے

ابنِ علی ، اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرتِ عبّاس علی میری مدد کر

امداد علی تیرا غلام اے شہِ عالی
تجھ شہ کا ثناخوان ہو **میرن** سا موالی
اور مرثیہ میں **مقبل** و **مسکین** کا ثانی
کر **محسن** و **مداح** سا تو اپنا سوالی

ابنِ علی ، اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرتِ عبّاس علی میری مدد کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کلام نقل کیا ۔ ملاحظہ ہو ان کا مضمون ''تالپور حکمرانوں کے علمی کارنامے'' مطبوعہ ماہنامہ ''نئیں زندگی'' اور کتاب ''مہران جون موجون'' ، پاکستان پبلیکیشن ، صفحات ۴۳ - ۴۴ -

ثابت علی ، الحمد دعا ہے تری مقبول
اس در سے سبھی تیری مرادیں ہوئیں محصول
یہ در ہے خدا کا بخدا اور کہیں مت بھول
ہر وقت رہا کر تو اسی ذکر میں مشغول

ابنِ علی ، اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرتِ عبّاس علی میری مدد کر

☆ ☆ ☆

۱۰

میر ضیاء الدین ضیا

(۱۱۶۰ھ ؟ — ۱۲۲۹ھ)

سیّد ضیاء الدین ضیا ابنِ سیّد عزت اللہ، ٹھٹہ کے 'شکر الٰہی شیرازی' سادات کے خاندان میں سے تھے۔ وہ مشہور شاعر اور مؤرخ میر غلام علی شیر 'قانع' ٹھٹوی کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ ٹھٹہ میں ان کی نشوونما ہوئی اور وہیں اساتذہ کے یہاں تعلیم پائی۔ وہ کم و بیش اپنے بھتیجے امیر عظیم الدین عظیم (بن میر یار محمد) کے ہم عمر اور ہم عصر تھے۔

سندھ کے تالپور امیروں نے جب کلہوڑہ عباسی خاندان کو شکست دے کر سنہ ۱۱۹۶ھ میں اپنی حکومت قائم کی تو اس شکر الٰہی خاندان کے افراد تالپور امیروں کے درباروں سے وابستہ ہوئے۔ چنانچہ میر عظیم الدین 'عظیم' فاتحِ سندھ میر فتح علی خاں کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ میر غلام علی 'مائل' میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں کے ساتھ منسلک ہوئے اور میر ضیاء الدین 'ضیا' علاقہ میر پور (خاص) کے والی میر ٹھارہ خاں بن میر فتح خاں مانکانی کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ سنہ ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ع میں جب میر فتح علی خاں کی فرمائش پر میر عظیم الدین عظیم نے قصہ 'ہیر و رانجھا' کو

مثنوی میں منظوم کیا تو سنہ ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ع میں میر ضیاء الدین نے اسی قصے کو میر ٹھارہ خاں کے لیے فارسی مثنوی میں لکھا :

امیرِ سندھ میر تھارہ خاں نام
شکوہِ جاہِ او را شد فلک رام
سزد از بہرِ او ھنگام سازم
برائے او یکی ابں نامہ سازم

ضیاء کو اپنے ممدوح میر ٹھارہ خاں سے محبت حمیت کے درجے پر پہنچی ہوئی تھی - اپنے آردو کلام میں بھی کہتے ہیں :

نور از جبہۂ میر ٹھارہ خاں
جلوہ گر ماہتاب میں دیکھا

میر ضیاء الدین ضیا نے سنہ ۱۲۲۹ھ میں وفات پائی - ان کے بھتیجے میر غلام علی مائل نے دو تاریخی قطعوں ''ضیاءالدین بھ فی الجنان'' اور ''در جنان جای ضیاء الدین'' سے تاریخِ وفات نکالی -

میر ضیاء الدین فارسی کے پُرگو شاعر تھے - فارسی میں مثنوی 'ہیر و رانجھا'، ایک دیوان اور بیاضیں ان کے دستخط سے یادگار ہیں -[۱] فارسی کے علاوہ آردو میں بھی شاعری کی اور ایک دیوان چھوڑا جس میں غزل ، قصیدہ ، مستزاد ، ترجیع بند ، مخمس اور مسدس غرض کہ ہر صنف شاعری کے اشعار موجود ہیں -

ضیاء کا زمانہ میر تقی میر ، سودا اور میر حسن کا زمانہ تھا اور وہ سودا کے کلام سے واقف تھے - چنانچہ انھوں نے اپنی 'بیاض' میں سودا کی یہ غزل (بحذفِ پانچ اشعار) لکھی ہے :

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ وہ نیَن ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے

۱- سندھی ادبی بورڈ کے مکتبے میں محفوظ ہیں -

اے دل یہ کس سے بگڑی کہ آتی ہے فوجِ اشک
لختِ جگر کی لاش کیوں آگے دھرے ہوئے
مجلس سے چھوکروں کے جو حجرے سے شیخ جی
آویں تو پھر خدا نے کیا مسخرے ہوئے
سودا نکل نہ گھر سے کہ اب تجھ کو ڈھونڈتے
لڑکے پھریں ہیں پتھروں سے دامن بھرے ہوئے

ضیاء کی بیاضوں میں بھی اردو غزلیں لکھی ہوئی ملتی ہیں ؛ مثلاً :

دکھا کر رخ کوں اے ظالم چھپاؤ گے تو کیا ہوگا
کہانی عشق کی کہہ کر بلاؤ گے تو کیا ہوگا
کیا ہے برہہ نے تیرے مرے دل کو پتنگ مانند
بجھا کر عشق کی آتش ، جلاؤ گے تو کیا ہوگا
نہ پاؤں نیند نینوں میں کدی تجھ بن ارے پیتم
سمجھ کر اپنے عاشق کوں ستاؤ گے تو کیا ہوگا
شہادت کی مجھے ہے آرزومندی سدا دل میں
برہ کے ہاتھ کا بھالا لگاؤ گے تو کیا ہوگا
جدائی کی نہیں طاقت رہی ہے مجھ کو اے دلبر
اگر ٹک پاس اپنے مجھ بلاؤ گے تو کیا ہوگا
محبت اتنی کرتے ہیں رقیباں سوں ارے ظالم
مروّت میں اگر اتنا ستاؤ گے تو کیا ہوگا
درس کی مانگتا بکھیا **ضیاء الدین** سدا تیری
اگر تم مہر سوں آ کر دکھاؤ گے تو کیا ہوگا

مرے دل میں وہ دلبر یاد ہے مجھ
سدا یہ عشق کا ارشاد ہے مجھ

مصوّر کیوں لکھے نقشِ پری رو
دلِ مانی ، قلم بہزاد ہے مجھ
صنم کو کیوں نہ کہہ قامت بلندی
کہ رعنا سروِ دل آزاد ہے مجھ
کہو اس شوخ کو میری طرف سوں
ترا یو[1] ناز دایم یاد ہے مجھ
درس کا ہے ضیاء الدین بھکاری
ترے یہ حسن کا امداد ہے مجھ

☆ ☆ ☆

۱- یو = یہ ۔

۱۱

محمد عظیم الدین عظیم

(۱۱۶۲ھ — ۱۲۲۹ھ؟)

میر محمد عظیم الدین ابن سید یار محمد ابن سید عزت اللہ ، فارسی کے مشہور شاعر اور سندھ کے مؤرخ میر علی شیر 'قانع' ٹھٹوی اور ضیاء الدین 'ضیا' کے بھتیجے تھے - وہ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ع میں ٹھٹہ میں پیدا ہوئے - آن کی تاریخِ ولادت ، جیسا کہ قانع نے "مقالات الشعراء" میں لکھا ہے ، قرآنی آیت "و انا لہ لحافظون" کے الفاظ سے استخراج کی گئی تھی -

میر محمد عظیم الدین فارسی کے باکمال شاعر تھے اور 'عظیم' تخلص کرتے تھے - انھوں نے فخریہ کہا ہے کہ : "سواد تتہ از من با صفاهاں می زند پہلو -" فارسی میں آن کا دیوان ہے[1] جس میں بکثرت تاریخی قطعات ہیں جو اسی دور کے حالات سے متعلق ہیں - اس کے علاوہ انھوں نے میر فتح علی خاں کی مختلف فتوحات سے متعلق

۱- دیوان عظیم تتوی ، مرتبہ ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں ، صدر شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی ، شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ ، حیدرآباد ، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۲ع -

تین ہزار اشعار کی مثنوی ''فتح نامہ'' ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ع میں لکھی جو 'فردوسی' کے ''شاہ نامہ'' کی تقلید میں ہے۔ اس مثنوی میں 'عظیم' نے اپنے حسب نسب کے متعلق کہا ہے:

از آن دم کہ جان جامہ پوشِ تن است
محمد عظیم الدین اسمِ من است
حسینی و شیرازی و تتوی
علی باشدم مرشدِ معنوی

اس کے دوسرے سال 'عظیم' نے اپنی غزلیات کے دیوان کو مرتب کرنا شروع کر دیا۔ پھر سنہ ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ع میں 'عظیم' نے تیسری مثنوی ''رانجھا و ہیر'' مرتب کی۔ اس میں اٹھارہ سو اشعار ہیں۔ اس کے بعد کچھ قطعات لکھے تھے۔ سنہ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ع میں ان کا انتقال ہوا اور ان کے چچا زاد بھائی میر 'مائل' نے ان کا مرثیہ لکھا جس میں تاریخی شعر یہ ہے:

روح القدس بسالِ وفاتش ز غیب زود
گفتا ''بجا محبِ علی العظیم بود''
۱۲۲۹

عظیم کی باقیات میں فارسی قصائد، غزلیات، رباعیات، مخمسات، مسدسات، سلام و مراثی سبھی اصناف شامل ہیں۔ اردو میں بھی غزلیات اور مرثیے لکھے جن کو فارسی دیوان کے فاضل مرتب (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں) نے آخر میں بطور ضمیمہ یکجا کر دیا ہے۔ 'عظیم' کی زبان اور بندشوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد میں اردو کے اعلیٰ شاعروں میں سے تھے۔ ان کے یہاں تقلید کم اور

حقیقت زیادہ ہے۔ غزلیں ملاحظہ ہوں :

سجن جلوے جمالی مجھ دکھاؤگے تو کیا ہوئے گا
اگر سورج سوں ذرے کوں ملاؤگے تو کیا ہوئے گا
تمھارے گنجِ حسن اوپر یہ زلفاں ناگ کالے ہیں
مجھے ان کالے ناگوں سے کٹاؤگے تو کیا ہوئے گا
بھواں تیری کماں اور یہ پلک ناوک نظر آتے
نشاں مجھ دل کوں کر ناوک چلاؤگے تو کیا ہوئے گا
چمن میں حسن کے تیرے یہ چشماں مست نرگس ہیں
اگر ہم عشق پیچوں سے اڑاؤگے تو کیا ہوئے گا
ترا یہ لعلِ لب یاقوت ہے، یاقوت ہے دل کا
مجھے معجونِ یاقوتی چکھاؤگے تو کیا ہوئے گا
ترے رخسار یہ گل ہیں، ترے لب قند و مصری ہیں
مجھے یہ قرصِ گلقندی کھلاؤگے تو کیا ہوئے گا
حنائی ہاتھ تیرے دیکھ کر ہم ہاتھ ملتے ہیں
ٹک ان ہاتھوں سے پیالہ بھر پلاؤگے تو کیا ہوئے گا

دلبر نے میرے مجھ سیں کیا التفات آج
سب درد و غم کی قید سیں بخشا نجات آج
اس شمع رو کے ہجر میں جلتا تھا جوں پتنگ
آتری مرے نصیب میں عشرت کی رات آج
باللہ کہ اس کے در کا گدا ہو رہوں گا میں
پایا ہوں مالِ حسن سے جس کے زکات آج
میں مر گیا تھا تلخیِ زہرِ فراق سوں
میٹھے وصالِ یار نے بخشا حیات آج

حافظ نے جامِ عشق دیا ہے **عظیم** کو
گل جاں مری نظر میں ہے شاخِ نبات آج

تجھ بِن میں بے قرار سدا بحر و بر میں ہوں
جل میں کنول ، کنول میں بھنور ، میں بھنور میں ہوں
تو چھپ چلا چمن سوں ، میں آکے وہاں چھپا
جھاڑوں میں گل ، گلوں میں ثمر ، میں ثمر میں ہوں
تو مجھ میں ہے ، میں تجھ میں ، جدائی جدا ہوئی
انکھیاں میں تو ہے ، تجھ میں نظر ، میں نظر میں ہوں
تجھ دانت آب دار کی غیرت سیں غرق ہوں
جل میں صدف ، صدف میں گہر ، میں گہر میں ہوں
جب سوں ہوا ہوں مست تری چشمِ مست کا
شیشے میں مے ہے ، مے میں اثر ، میں اثر میں ہوں
چھپ دیکھتا ہوں تجھ کو رقیباں کے خوف سے
مکھ میں نَین ، نَین میں نظر ، میں نظر میں ہوں
شیریں لباں کے میٹھے بچن مجھ کو کیر ہیں
لب میں بچن ، بچن میں شکر ، میں شکر میں ہوں
دیکھا ہوں دام زلف میں تیرے **عظیم** کو
سر میں زُلُف ، زُلُف میں جگر ، میں جگر میں ہوں

برہمن جس کے دل میں آرزو ہے مر کے درسن کا
مجھے ہے آرزو ہر وقت درسن اُس برہمن کا

برہمن کی برہ من میں مرے مخفی نہیں رہتی
چھپانا حال کی صورت نہیں مقدور درپن کا

سجن کے کان کے بالے میں کیا موتی کے دانے ہیں
یہ دانے دام گیسو کے، وہ گیسو دام ہے ھن کا

کبھی چہرہ بسنتی ہے، کبھی پھیٹا گلابی ہے
مرا دل باندھنا ہر پیچ میں ہے کام موہن کا

نین نرگس، دہن غنچہ، وہ مشکیں خال سوسن ہے
مرے گل رخ نے لوٹا ہے سبھی سامان گلشن کا

مرا دل رام اس کا ہے جو دل میں رام ہے ہر کا
سورج مکھ پوجے سورج کوں وہ پوجے رخ سریجن کا

عظیم اس حسنِ عشق آمیز نے مجھ دل کوں گھیرا ہے
برہمن ہر کا عاشق ہے، میں عاشق ہوں برہمن کا

گلشن میں جب وہ گل رو مستِ شراب ہوئے
اس حسنِ آتشیں پر بلبل کباب ہوئے

زلفاں نہ کھول مکھ پر، دن رات ایک نا کر
(لوگوں کو) یہ اچنبھا دیکھ اضطراب ہوئے

تجھ زلف کی صفت سوں چوں شانہ سو زباں ہوں
مجھ شعر میں بجا ہے گر پیچ و تاب ہوئے

مت آئینے کو دکھلا اپنا جمالِ روشن
تجھ مکھ کا تاب دیکھے آئینہ آب ہوئے

میری نظر عظیما! قرآں سے ہم شرف ہے
مولا کی منقبت میں جو کوئی کتاب ہوئے

غزلیات کے علاوہ عظیم نے مربع مرثیے بھی لکھے ہیں - ان کے ایسے مرثیے فارسی میں بھی ہیں - اردو میں دو مرثیے ملتے ہیں - ایک مرثیے کے تین بند ملاحظہ ہوں :

چلا یادگارِ پیمبر حسین
چلا ابنِ زہرا و حیدر حسین
چلا سب شجاؤں کا افسر حسین
چلا بادشاہِ مظفّر حسین

چلا وہ مدینہ سوں شاہوں کا شاہ
چلا پیش و پس لشکرِ اشک و آہ
شہادت کا دیتی ہے چہرہ سپاہ
ہوا جس کا سالار و سرور حسین

چلا باندھ حق کی رضا پر کمر
توکّل کی لے ہاتھ محکم سپر
مگر شامیوں نے لیا گھیر کر
امامت کا خورشیدِ انور حسین

مندرجہ بالا کلام دیوانِ عظیم کے آخر میں بطورِ ضمیمہ موجود ہے - اس کے علاوہ بھی عظیم کا اردو کلام پایا جاتا ہے - ایک منقبت میں انھوں نے سندھ کے چاروں حکم رانوں یعنی میر فتح علی خاں ، میر غلام علی خاں ، میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں کے لیے دعا مانگی ہے - ایک منقبت میں میر صوبیدار خاں (ابنِ میر فتح

علی خاں) کے لیے کہتے ہیں :

سروِ باغِ صوبداری یا علی تیرا غلام
تجھ غلامی سے ہوا ہے جگ میں روشن جس کا نام
یاعلی تیرا غلام اس کو کہیں سب خاص و عام
دو جہاں میں رکھ آسے دایم بہ عزّ و احترام
شاہِ دیں ، دو جگ کے افسر ، یا امیرالمومنین !

☆ ☆ ☆

۱۲

حافظ عبدالوہاب عرف سچے ڈنہ، سچل

(۱۱۵۲ھ — ۱۲۴۲ھ)

عبدالوہاب عرف سچے ڈنہ ابن صلاح الدین فاروق، سنہ ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ع میں بمقام درازا (موجودہ ضلع خیر پور) میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ امجد فاتحِ سندھ محمد بن قاسم کے ساتھ آئے تھے اور یہ خاندان ایک بڑی مدت تک سیوہن میں رہا، جہاں سے موجودہ مقام درازا کو نسبتاً قریبی زمانے میں منتقل ہوا۔

سچے ڈنہ کی عمر ابھی چھ سال کی تھی کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے چچا خواجہ عبدالحق نے ان کی پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم حافظ عبداللہ قریشی صدیقی سے حاصل کی جو ہالا کے مشہور آخوند خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سچل نے بچپن ہی میں قرآن پاک حفظ کیا اور علمِ تجوید میں مہارت حاصل کی۔ پھر اپنے چچا خواجہ عبدالحق سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ تحصیلِ علوم کے ساتھ ساتھ خواجہ عبدالحق سے بیعت ہو کر تصوّف اور معرفت کے رموز سے آگاہ ہوئے۔

سچے ڈنہ نے سندھ کے کلہوڑہ حکم رانوں کا آخری دور اور زوال دیکھا جو ایک پُر آشوب زمانہ تھا، جس میں فتنہ و فساد کے

لیے گویا حق اور حقیقت دیتے رہے ۔ سچے ڈنہ پر اس کا بڑا اثر ہوا ۔ ظاہرداری اور تصنّع کے خلاف ان میں ایک زبردست ردعمل کا جذبہ پیدا ہوا ۔ جب تمام سلطنت تالپوروں کے ہاتھ میں آئی تو قدرے سکون ہوا ۔ والیِ خیر پور میر سہراب خاں کے فرزند میر رستم خاں کو سچے ڈنہ سے عقیدت ہوگئی اور از راہِ تلطّف جاگیر عطا ہوئی ۔ اس کے بعد سچے ڈنہ پر عشقِ الٰہی کی مخموری اور مدہوشی غالب ہوئی ۔ 'ہمہ اوست' کے فلسفے کا بڑا گہرا اثر پڑا ، اور شعر میں نفی اثبات ، فنا بقا ، حال قال ، ہمہ اوست اور وحدتِ وجود کے اسرار و رموز کو اجاگر کرتے رہے اور حق اور حقانیت کی تبلیغ کرتے رہے ۔ سچل نے ۱۴ رمضان سنہ ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ع میں نوّے سال کی عمر میں وفات پائی اور 'درازا' میں دفن ہوئے ، جہاں ان کا مزار مرجعِ عوام ہے ۔

شاعری میں اپنے مقصد (حق کی تبلیغ) کے لحاظ سے 'سچو' یا 'سچل' (سچّا) تخلص اختیار کیا ۔ سندھی ، سرائیکی اور اُردو کلام میں ان کے نام 'سچے ڈنہ' کے علاوہ یہ تخلص بھی پائے جاتے ہیں ۔ فارسی میں 'آشکار' اور 'فدائی' تخلص کرتے تھے ۔ ان کا فارسی کلام 'دیوانِ آشکار' چھپ چکا ہے ۔ اس کے علاوہ ان کا دوسرا کلام مندرجہ ذیل فارسی مثنویوں پر مشتمل ہے : وصلت نامہ ، رہبر نامہ ، تار نامہ ، راز نامہ ، عشق نامہ اور گداز نامہ ، جن میں تصوف کے مسائل اور عارفانہ رموز بیان کیے گئے ہیں ۔ سندھی میں وحدت نامہ ، مرغ نامہ اور قتل نامہ مثنویاں لکھیں ۔ سندھی اور سرائیکی زبانوں میں کلام کا ایک بڑا ذخیرہ بیتوں اور کافیوں پر مشتمل ہے ۔ بعض بیت اور کافیاں مستی ، مدہوشی اور حالتِ استغراق میں کہیں جو البتہ ''شطحیات'' کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں ۔ چنانچہ بعد میں ان کے

معتقدین نے ان کو 'سچل سرمست' کے لقب سے یاد کیا ، باوجود اس کے کہ وہ صوم و صلواۃ کے پابند ، عابد اور پرہیزگار شخص تھے ۔

سچل کا اردو کلام بھی ان کے سندھی اور سرائیکی بیتوں اور کافیوں کی طرح منتشر ہے ، اور غالباً اس کا کچھ ہی حصہ جمع ہو سکا ہے ۔ "سچل سرمست جو سرائیکی کلام" جس کو حکیم محمد صادق مرحوم رانی پوری نے مرتب کیا[1] ، اس کے آخر میں ایک حصہ "اردو کلام" کے عنوان سے شامل ہے ، جس میں پچاس غزلیں شامل ہیں ۔ سچل کی زبان سادہ ہے ۔ فارسی اور اردو میں یہی رنگ غالب ہے ۔ یہاں ان کے اردو کلام سے انتخاب دیا جاتا ہے :

مری آنکھوں نے اے دلبر ! عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا
جلایا طورِ سینا کو تھا جس نورِ تجلّی نے
ترے کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا
حذر حاصل ہوا تھا جس جگہ ان علم والوں کو
وہاں میں نے وہی نورِ مبیں اظہار دیکھا تھا
مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے
اسی صورت کا میں نے ہر جگہ دیدار دیکھا تھا
برابر ہیں بھر جا جس طرح سورج کی یہ کرنیں
بھر مظہر اسی انداز سے انظار دیکھا تھا
جو آیا تھا وہاں سے ایک بار اس بزمِ رنداں میں
نہ اس مدہوش کو ہم نے کبھی ہشیار دیکھا تھا

---

[1] ۔ مطبوعہ سندھ ادبی بورڈ ، حیدرآباد سنہ ۱۹۵۹ع ۔

کہا اک بار اُس نے بالیقیں کلمہ اناالحق کا
رہِ اسرار میں منصور کو بر دار دیکھا تھا
کنارا تھا نہ جس کا ، تو سچل اُس بحر میں آیا
نگوں سار اُس میں ہر اک طالبِ دیدار دیکھا تھا

ترے ہی ناز سے آنکھوں کے میں غلام ہوا
ترا ہی عشق مرا پیشوا ، امام ہوا
کروں میں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
ترے ہی درد سے قصّہ مرا تمام ہوا
ترے غرور کا چرچا ہوا زمانے میں
سبھی نے گوش میں دیں انگلیاں ، یہ کام ہوا

ہے غنیمت مجھ کو یارو دوستی دلدار کی
کیوں نہ بیگانہ رہوں ، جب یہ جہاں فانی ہوا

ہاتھ پر لالی لگائی ، آج کیا درشن ہوا
زلف پر چہرہ ہوا ، سر پر گلِ سوسن ہوا

برہا ہے سب مشکل بازی ، کون رے ہاتھ لگائے گا
جس نے ہاتھ لگایا اُس کو ، سارا ہوش گنوائے گا

اُس کو خبر اس راز کی ہے ، عشق کا جس پر اثر
سر دے سچل اس راہ میں ، مقصد میں ہوجا کامگر

دلبر کے در پہ میں تو دیوانہ ہو رہا ہوں
یارو میں دو جہاں سے بیگانہ ہو رہا ہوں
یہ عقل و فہم اُس کے دیدار نے اُڑایا
زلفوں کے پیچ و خم میں مستانہ ہو رہا ہوں
محبوب آج سر پر چیرا ہے باندھ آیا
اُس شمعِ حسن کا میں پروانہ ہو رہا ہوں
آئے گا جوں وہ دلبر، تیروں کی ہوگی بارش
سینہ سپر ہے **مجّل** نیشانہ ہو رہا ہوں

ملنے کو تیرے دلبر، میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا میں سربسر ہوا ہوں
پھر دیکھ میری جانب، تجھ بن پھروں اُداسی
تیرے لیے گداگر میں دربدر ہوا ہوں
فرقت میں تیرے رونا دن رین مجھ کو حاصل
حبل الورید سے بھی میں بے خبر ہوا ہوں
اُمید لطف کی ہے تجھ سے ہی عاشقوں کو
"لا تقنطوا من رحمۃ" میں بے خطر ہوا ہوں
سمجھا تھا دور میں نے لیکن نہ دور ہو تم
تیرے کرم سے جاناں میں در نظر ہوا ہوں

کیا کروں میں جو مرا کوئی اختیار نہیں
ہائے رے، آج مرے پاس وہ دلدار نہیں
نبض کو دیکھ کے مایوس فلاطوں بھی ہوا
کہہ دیا صاف کہ یہ مست تو ہشیار نہیں

تجھ کو تو درد نہیں ، یار نے سچلؔ سے کہا
میں نے رو رو کے کہا ، تجھ کو اعتبار نہیں

بلبل کو برہا پہنچا ، آئی ہے رُت بہاراں
فریادِ وصل اُس کی ہے مثلِ بے قراراں
میں نے یہ اُس سے پوچھا عاشق ہے تو گلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت ، روتا ہے زار زاراں
منقار ہے گلوں پر ، پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر حاصل ہیں گل ہزاراں
بلبل نے یہ بتایا اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے ، میرے لیے نگاراں
آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے سچلؔ میں چھوڑوں نہیں پکاراں

کیسی یہ جمعیّت ملی ، حیران ہوں ویران ہوں
گاہے پشیمانی میں ہوں ، گاہے بہت حیران ہوں
کعبہ کنشت اب دور ہے ، منزل تو میری اور ہے
بدنام ہوں ، بدکار ہوں ، صورت میں گر انسان ہوں
ہنسنا کبھی رونا کبھی ، راضی کبھی تصدیع پر
تسبیح کی خواہش نہیں ، زنّار پر خندان ہوں
نے وردخواں نے متّقی ، زاہد نہ میں عابد بنا
مجنون ہوں، مفتون ہوں، دیوانہ ہوں، مستان ہوں
قاضی نہیں ، مفتی نہیں ، مُلاّ نہ ہوں میں محتسب
میں ملحد و کافر نہ ہوں ، نے صاحبِ ایمان ہوں

صورت بشر کی ہے مری ، ظاہر گداگر ہوں بنا
باطن کو پہچانے مرے ، سلطان ہوں ، سلطان ہوں
سچلؔ نہ میرا نام ہے ، وہ نام میرا پاک ہے
میں خود سراپا عشق ہوں، ہم گوئے ہم چوگان ہوں

آیا وہ یار آیا ، کہتا ہوں حمد للہ
رخ دوست نے دکھایا ، کہتا ہوں حمد للہ
اس حالِ ناتواں کی پرسش بہت تھی اس کو
مجھ کو گلے لگایا ، کہتا ہوں حمد للہ
غفلت کے خواب اندر دن رین میں پڑا ہوں
برہے نے ہے جگایا ، کہتا ہوں حمد للہ
معشوق کی نگہ سے دل خوش ہوا ہے میرا
فرقت کا غم مٹایا ، کہتا ہوں حمد للہ

کرتا ہوں اے سریجن اس باب ، شکر للہ
اس برہا نے کیا ہے بیتاب ، شکر للہ
تیرے جو نین دیکھے ، حیرت میں پڑ گیا ہوں
تو نے کیا ہے مجھ کو بے خواب ، شکر للہ
کیا ورد کیا وظائف ، کیا قول کیا یہ پارے
بھولا ہوں شد و جزم و اعراب ، شکر للہ
وحدت کا اڑ کے آیا شہباز دل پہ میرے
اب مٹ چکے ہیں سارے آداب ، شکر للہ

ظاہر ہو یا ہو باطن ، اندر ہو یا ہو باہر
سچلؔ سپرد تیرے ہر بـاب ، شـکر للہ

مجھ کو فنا کرے گی جاناں تری جدائی
فرقت میں تیری در در کرتا ہوں میں گدائی
تیرے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل اُلفت میں جگ ہنسائی
دو چار دن کا میلہ ، دو چـار دن فراق
سیکھی کہاں سے تو نے یہ رسمِ آشنائی
واپس دے دل **سچل** کا کوچہ میں جو پڑا ہے
سینے پہ اُس کے نوبت اُلفت نے ہے بجائی

آؤ سنو اے یـارو ! ہے عشق انتظـاری
آرام ہے نـہ پل بھر ، ہردم ہے بے قراری
کیا خویش کیا قبیلہ ، سب سے جدا ہوا ہوں
میں نے اُٹھایـا سر پر ِبرہے کا بار بھاری
ہاتھوں سے اُس صنم کے چھوٹے خدنگ خونی
جس سے ہوا ہے دل پر عاشق کے زخم کاری
وہ شاہِ عشق آیا ، دیکھو **سچل** تماشا
فـرار ہو چکی ہے اب میری عقل ساری

آنکھوں میں اُس کی کاجل ، ہاتھوں پہ اُس کے لالی
پیتـا ہے خوب بھر بھر وہ جـامِ پُرتگالی

دیکھو اے دوستو تم ، کیا خوب دلربا نے
اس دل کو لوٹنے کی ترکیب ہے نکالی
آیا نظر میں اژدر مجھ کو وہ زلفِ پیچاں
رخ پر لٹک رہی ہے ظالم یہ زلف کالی
کر کے وہ ناز و عشوہ عشّاق میں ہے آیا
مدہوش ہو رہا ہوں ، دیکھو یہ چست چالی
بے چارہ اک نہیں میں آشفتہ اُس صنم کا
حیراں ہوئے ہیں لاکھوں ، کیا حسنِ لایزالی

"موتوا" میں ہے بشارت ، اس عشق کی اشارت
مرنے میں ہے صفاتی ، پاؤ گے تم حیاتی
ہو جا فنا بقا میں ، اس حسن میں لقا میں
حق کی قسم تو حق ہے ، بن جا تو ذاتِ ذاتی
اس شمع پر پتنگے ، آئے ہیں کیا اُچھل کر
ترسیں گے وہ نہ ہرگز جن کو ملی مماتی
منصور کا یہ قصّہ معراج ہے سراسر
سولی پہ دیکھ لے تو اثبات میں ثباتی
سمجھا **سچل** نے بے شک مجھ میں ہے حق سمایا
جب سے ہے دل لگایا ، دوئی رہی ہے جاتی

بہتر ہے ایسی زندگی ، بِن عشق ہے شرمندگی
بِن عشق ہے شرمندگی ، بہتر ہے ایسی زندگی
جس کو صنم کا درد ہے ، رویت اُسی کی زرد ہے
اس آس جگت سوں سرد ہے ، صف عاشقاں میں مرد ہے

عاشق وہی جس غم ہوا ، دونوں جگت اک دم ہوا
دن رین اس ماتم ہوا ، آنکھوں سے اب آگم ہوا
برہا جو ہے بدنام ہے ، باطن سے کاشی کام ہے
نے چین نے آرام ہے ، وہ واہ اُس ماتام ہے

یہ ناؤ نوش نوشاں مجروح کی دوا ہے
عشّاق کے لیے تو یہ اصل سے شفا ہے
یہ ہے طریقِ مشکل ، آساں نہ اس کو سمجھو
اس عشق میں اے یارو ، صد جور صد جفا ہے
سر کی نہ کر تمنّا ، گر راہِ عشق پوچھے
یہ قتل عاشقوں کا اُلفت میں ہی روا ہے
اُس کو خبر نہیں ہے اس عشق کی اے یارو
جو شخص ہے یہ کہتا معشوق بےوفا ہے
آشفتگاں ہزاراں قربان سر کریں گے
سچّل غریب مسکیں درگاہ کا گدا ہے

اے دوست میرے دل کو تیرِ نظر لگا ہے
میری یہی صدا ہے ، اک جانتا خدا ہے
عاشق غریب کا دل زخمی کیا ہے تو نے
چیرہ ہے تیرے سر پر ، ہاتھوں پہ بھی حنا ہے
شمشیر تیری عریاں خوں ریز ہے اے دلیر
تیرِ الم کے آگے عاشق ہؤا فنا ہے
اے جانِ جاں تو آ جا میری گلی میں اک دن
خاکِ قدم پہ تیری یہ جان و سر فدا ہے

نازوں سے تو نے مارا عشّاق کو اے ظالم
خوں ریزیِ غریباں شاید تجھے روا ہے
تیرے ہی نام کا میں ہردم رہوں گا عاشق
روزِ ازل سے سچّل در کا ترے گدا ہے

اس درد نے اے دلبر! یوں بے خبر کیا ہے
مجروح میرے دل کو در یک نظر کیا ہے
ناحق مسافروں سے آنکھوں کی ہے لڑائی
میں نے گواہ آن ہر ہر شہر و بر کیا ہے
طالیس ، کیا فلاطوں ، لقماں بھی قید ہوتا
اس زلف کے ستم نے سب پر اثر کیا ہے
میری گلی میں آنا ، دلبر نے دی تسلّی
وعدوں نے منتظر یوں شام و سحر کیا ہے
تو اتنی بے‌نیازی دلبر نہ کر سچّل سے
کیا اس گلی میں میری تو نے گذر کیا ہے

دل کو ترا جادو لگا ، نے صبر نے آرام ہے
تیری طرف سے اے صنم ، نے خط ہے نے پیغام ہے
آتش لگا دی جان میں ، فریاد پہ فریاد ہے
مرتا ہوں تیرے ہجر میں ، یہ سوز اک صمصام ہے
اس حال کی اپنے خبر کس کو سناؤں اے صنم
جنجال ہے یہ زندگی ، مرنا ہی میرا کام ہے

آنکھوں میں جادو ہے تری ، لوٹا ہے تو نے دل مرا
ہے زلف کی وہ پیچ میں ، اُس پر **سجّل** یہ دام ہے

دل ناز سے نینوں نے لوٹا ، اور کیا اسرار ہے
بس اب تو آ جاؤ صنم ، تیرا ہی یہ بیمار ہے
تیرے ہی غمزے سے میں بے جان ہوں بے جان ہوں
خوبی ہے تجھ میں حسن کی ، دل کو تجھی سے پیار ہے
اُس روز یہ وعدہ کیا ، میں تجھ سے ہوں تو مجھ سے ہے
اے دوست پورا کر دکھا ، تو نے کیا اقرار ہے
در در پھروں اس درد سے ، ہائے میں عاجز ناتواں
دل ہاتھ سے میرے گیا ، تیرے گلے کا ہار ہے
یہ تار تیری زلف کا ، عاشق ہے اُس میں پھنس چکا
اب چھوٹنا مشکل **سجّل** ، شکرِ خدا صد بار ہے

ہاتھ پر لالی لگائی آج ، کیا اسرار ہے
عاشقوں کا قتل ہوگا ، جوں بھری تلوار ہے
چھوڑ کر سر کی تمنّا ، آ مرے پاس ایک بار
اک نگہ سے کردوں واصل ، یہ مرا اقرار ہے
بن **سجّل** تو عشق کا پروانہ شمعِ حسن پر
دیکھ ابراہیم[۴] پر آتش ہوئی گلزار ہے

اُلفت کا شہباز صنم نے میری طرف اُڑایا ہے
علم و عقل اور شرم و حیا کو طعمہ کر کے کھایا ہے

عرش اور کرسی پر وہ پریشان دھرتی پر چل آیا ہے
دردمندوں[1] کے دل پر اُس شہباز نے گھر بنوایا ہے
جان سے وہ بے جان ہے اس کے دام میں جو بھی آیا ہے
دو جگ اُس کے پر میں چھپے ہیں **سچل** پر بھی چھایا ہے

میں یار ، یار ہوں خود ، کچھ بھی نہیں تفاوت
سمجھا 'انامعی' کو ، دیگر کلام کیا ہے
اُس جا ملائکہ بھی میرے ہوئے سلامی
اب تُو بتا اے قاضی ! میرا سلام کیا ہے
''بی یسمع و یبصر'' یہ صدقِ دل سے جانو
وہ دوست ہر جگہ ہے ، اُس کا پیام کیا ہے
تحقیق الحقیقت ساری ہے اُس خدا کی
سچل ہے جب وہ مالک ، تو پھر غلام کیا ہے

سنو رے آج سر میرے ابرِ باران آیا ہے
کرم کر کے صدف پر قطرۂ نیسان آیا ہے
زلیخا کی تمنّا و طلب کو دیکھ کر بکنے
گلی میں مصر کی وہ دوست از کنعان آیا ہے
برائے خواہشِ اُلفت ہوا اظہار وہ بے چوں
اسی دنیا میں وہ دلدار بن انسان آیا ہے
گلابی رنگ کا چیرا ہے سر پر ، زلف شانوں پر
برائے قتلِ مشتاقاں وہ سع طولان آیا ہے

۱- 'دردمندوں' کا تلفّظ سندھی لب و لہجہ کے مطابق ہے -

سچل کر گوے سر میداں یہ سر بھی دے سریجن کو
کہ شاہِ حسن حملوں سے سرِ چوگان آیا ہے

حق پاک ہے حق پاک ہے ، حق خالقِ افلاک ہے
گہ خرم و بیباک ہے ، گہ خود بخود غم ناک ہے
گہ حیدرِ کرار ہے ، شاہِ یتیماں یار ہے
دلدل سوار ، آقائے ارض و مالکِ افلاک ہے
گہ ہے حسین اور گہ حسن ، گہ اس کا رنگِ پیرہن
گہ سرخ گہ سبزہ بدن ، گاہے وہ خوش پوشاک ہے

جو اپنا سر پہچانے ، "انا سرہ" وہ انسان ہے
بڑی ہے بات الفت کی ، وہ ہے مشکل نہ آساں ہے
وہی ظاہر وہی باطن ، وہ ہم تم کا بہانہ ہے
نکل اس کفر اور اسلام کی حد سے ، یہ فرماں ہے
آسی خواجہ کی خدمت میں سلاموں پر سلام اپنے
سچل اس شاہ کا تہِ دل غلامانِ غلاماں ہے

کبھی مومن ، کبھی مسلم ، کبھی کافر کہایا ہے
کبھی مُلّا ، کبھی قاضی ، کبھی بامن بلایا ہے
کبھی منصور بن کر خود کو سولی پر چڑھایا ہے
زلیخا بن کے یوسف مصر کا والی بنایا ہے

مجھ کو بتا تُو قاضیا ! کیسا تمھارا کام ہے
تجھ کو کتابوں کی خوشی ، میرے لیے ماتام ہے

عاشق ! جلا دے آگ میں ساری کتابوں کے ورق
اک نام میرا یاد کر ، یہ دوست کا پیغام ہے
مجھ کو تو مارا ہجر نے ، کہتا ہے تُو آ پڑھ کتاب
گھر میرے اُس محبوب کی آمد کا آج انجام ہے
کیوں سہو کا سجدہ کرے وہ ، عشق ہے جس کا امام
دم بھر بھلانا دوست کو ، نے عاشقوں کا کام ہے
آخر یہ مطلب پا لیا ، مرشد نے یہ ہم سے کہا
بین عشقِ دلبر کے **سچل** کیا کفر، کیا اسلام ہے

۱۳

میاں محمد سرفراز عباسی

(وفات ۱۱۹۱ھ)

میاں محمد سرفراز عباسی سندھ کے تاجدار اور بانیِ حیدرآباد میاں غلام شاہ عباسی کے فرزند تھے۔ والد کی وفات (۱۲ جمادی الاوّل ۱۱۸۶ھ/اگست ۱۷۷۲ع) کے بعد سندھ کی حکومت کے وارث بنے۔ صاحبِ علم و فضل تھے مگر رموزِ حکمرانی سے بے خبر تھے۔ وزیر راجہ لیکھی نے انھیں ورغلایا تو انھوں نے اپنے والد کے معتمد امیر اور بلوچ سردار میر بہرام خاں کو شہید کروادیا۔ اس امیرِ کبیر کی شہادت (ربیع، ۱۱۸۹ھ) کے بعد میاں سرفراز کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ گیا اور بالآخر اپنے ظالم چچا عبدالنبی کے اشارے سے حالتِ اسیری میں شہید کر دیے گئے۔

میاں محمد سرفراز فارسی کے بلند پایہ اور پُرگو شاعر تھے۔ ان کا فارسی دیوان موجود ہے۔ قید خانے میں سندھی میں ایک مناجات لکھی تھی جو آج تک زبان زدِ عوام ہے۔ ان کا اردو کلام غالباً کافی تھا مگر ضائع ہو چکا ہے۔ البتہ مختلف بیاضوں میں ان کے بعض اردو اشعار محفوظ رہ گئے ہیں۔ ایک فارسی قطعے میں اردو کا ایک

مصرع یوں نظم کیا ہے :

دوش دیدم خجستہ دخترکے
ایستادہ بناز در برکے
دست بگرفتمش بہ ہندی گفت :
چھوڑ دے ہاتھ ، چوریاں کرکے

مندرجہ ذیل فرد غالباً انہوں نے ایامِ اسیری میں کہی تھی :

"فرد محمد سرفراز"

قفس کے بیچ میں بلبل کہاں فریاد کیا کیجے
لکھا قسمت کا ہونا تھا ، چمن کوں یاد کیا کیجے

"ایضاً لہ فرد"

ارے بلبل کسے پر باندھتی ہے آشیاں اپنا
نہ گل اپنا ، نہ باغ اپنا ، نہ لطفِ باغباں اپنا

"قطعہ سرفراز خاں عباسی"[1]

چمن کے تخت پر جب شاہِ گلشن کا تجمّل تھا
ہزاراں بلبلوں کی فوج تھی ، ہر سوئی غلغل تھا
خزاں کے دن جو دیکھے پھر جو دیکھا شور گلشن سوں
بتایا باغباں رو رو ، ایہاں غنچہ ، ایہاں گل تھا

☆ ☆ ☆

۱- میرزا گل حسن 'احسن' مرحوم نے یہ قطعہ ایک بیاض مورخہ "۵ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ/۱۲ جون ۱۹۰۲ع" سے نقل کیا ہے۔

۱۴

آخوند قاسم ساونی ہالائی

(۱۱۳۵ھ؟ — ۱۲۱۵ھ؟)

آخوند قاسم بن آخوند محمود ، شہر ہالا (پرانا) کے مشہور ساونی خاندان سے تعلق رکھتے تھے - اپنے والد کے یہاں فارسی اور عربی علوم کی اعلیٰ تعلیم پائی - آپ کے والد آخوند محمود نصر پور میں مدرس تھے اور وہیں پر ۱۱۷۲ھ میں فوت ہوئے - ان کی وفات پر آخوند قاسم اپنے والد کی جگہ پر مدرس مقرر ہوئے -

آخوند قاسم فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے - بقولہ :

بر کشورِ سخن چو خدا داد شاهیم
هر کس کند قبولِ مثالِ بیانِ ما
هر کس که ماهر است بفنِ سخنوری
تحسین می کند بمقالِ بیانِ ما

بندۂ راقم کے پاس ان کے مجموعۂ کلامِ فارسی کا ایک قلمی نسخہ "قاسم نامہ" کے نام سے موجود ہے جس کی پہلی غزل کا مطلع یہ ہے :

آید خیالِ خالِ تو در قلب لاله را
چشمِ تو داد سرِ بیابان غزاله را

ایک غزل میں اپنا پورا نام لائے ہیں :

مرید تست قاسم ابنِ محمود
دلش را بخش آرام ای دلآرام

اس ''قاسم نامہ'' کے آخری حصے کی دیوان کے اختتام کے بعد دوبارہ 'الف' سے 'دال' تک ردیفوں کی جو فارسی غزلیں ملتی ہیں ، ان میں ہر ایک ردیف پر ایک اردو غزل بھی شامل ہے ۔ غالباً اصل نسخے میں یہ غزلیں 'یای' تک تھیں جس سے قاسم کے اردو زبان میں ''صاحبِ دیوان'' ہونے کا قوی گمان ہوتا ہے ۔ ان کی اردو غزلوں سے ظاہر ہے کہ قاسم نہ صرف اردو کے ایک بلند پایہ شاعر تھے بلکہ ان کے دور میں اردو شاعری کا ذوق سندھ کے اندرونی علاقے یعنی 'ہالا' اور 'نصرپور' میں پایا جاتا تھا ۔ "قاسم نامہ'' سے ان کی اردو غزلیں یہاں پر نقل کی جاتی ہیں :

بزم میری سوں جب نگار گیا
تب مورے جیو کا قرار گیا

کیوں نہ ہووے مکان غم دل کا
کہ مرا یارِ غم گسار گیا

بلبلِ دل بزار نالہ کیا
جب بغل سوں وو گلعذار گیا

پھر مرے پاس وو سجن آیا
شکر للہ کہ انتظار گیا

اے سجن ! آ مری بغل میں بیٹھ
کہ تجھ آنے سوں اضطرار گیا

خط ترا دیکھ ، دل خوشی سیتی
جیوں ریحاں کھلی ، غبار گیا

جن ترے ہاتھ سوں پیالہ پیا
اس کے سر سوں سبھی خمار گیا

ڈھونڈھتا ہے آداسی اپنی دل
جو گلی میں ترے بسار گیا

قاسما ! اب تری دعا سوں رقیب
پیو کی مجلس سوں بے وقار گیا

جب ہووے میرا سریجن بے حجاب
ذرہ ساں گردش میں آوے آفتاب

گر پڑے سورج زمیں پر زرد ہو
گر نہ ڈالے پیو وہ مکھ اوپر نقاب

مستیِ مدھ سیتی اس کوں کام کیا
جن پیا ہے پیو کی انکھیاں سوں شراب

آج میرے پر سجن ہے مہربان
ناز سوں مجھ پاس آتا ہے شتاب

جا اجابت کن رسی میری دعا
گھر رقیباں کا خدا نے کیا خراب

بار دیوے گا مجھے اپنے حضور
لطف سیتی وو شہِ عالی جناب

آج مل جاوے گا تیرے تئیں صنم
قاسما ! بے جا ہے اتنا اضطراب

کھلاتی ہے شکر دل کوں تری گفتار ہر ساعت
خیالِ مکھ ترے کا ہے مجھے دوچار ہر ساعت

خیالِ زلف تیری کا جو ایماں لوٹ جاتا ہے
مرے دل کی کلی کا ہے عجب زنّار ہر ساعت
اُداسی ہوں سدا ہم نے پیا درسن تمھارے کا
خدا کے واسطے آ کر دکھا دیدار ہر ساعت
اداسی ہو ترے درسن کا نرگس کے نَیَن سیتی
تمھارے مکھ پہ کرتا ہے نگہ گلزار ہر ساعت
جہاں کے دل نہیں آماج تیرے عشق کا ہرگز
نگہ کا تیر انہاں کوں پیا مت مار ہر ساعت
نَیَن نرگس، دہن غنچہ کیا ہے، زلف ہے سنبل
ہوا ہے رشک گلشن کا، ترا رخسار ہر ساعت
وسیلہ کوئی نہیں دُوجا پیا تجھ باج[1] **قاسم** کا
تُوہیں دلبر، تُوہیں مُونس تُوہیں غمخوار ہر ساعت

عشّاق پاس راست نہ آنا عبث عبث
مکھ مجھ سوں اے نگار چھپانا عبث عبث
عشّاق بن مخالف کوں اے سجن سمجھ
حسن و جمال اپنا دکھانا عبث عبث
طالب نہیں جو کوئی اسی پاس دم بدم
اے جانِ جان تجھ کو ہے جانا عبث عبث
اپنے حضور بار دے مشتاق کوں کبھی
اتنا ارے نگار ستانا عبث عبث
ہر لحظہ اے نگار نگہ کے شراب سوں
اغیار کوں پیالہ پلانا عبث عبث

۱۔ تجھ باج = تیرے بغیر۔

طالب وصال کے تئیں دوری کی آگ میں
ناحق اے گل عذار جلانا عبث عبث
جو دردِ عشق سوں نہیں آگاہ قاسما !
احوال اپنا اس کوں سنانا عبث عبث

رکھا خدا نے ہے تیرے سر اوپر حسن کا تاج
جگت (کے) خوب رخاں بھیجتے ہیں تجھ کوں باج
گگن جمال کے اوپر سجن تو ہے سورج
ہوا منیر ترے مکھ سیتی چندر کا راج
دیا ہے مجھ کوں تری زلف نے پریشانی
نہ جا توں دور کہ دل بے قرار ہے تجھ باج
جنہاں کوں ہجر نے تیرے سجن مریض کیا
بنا وصال ہے دوجا نہیں آنھوں کا علاج
سرودِ عشق ترے کا فقط نہ میں گایا
کہ اس سرود رجھایا ہے دم بدم سیہہ راج
نکال گرد غموں کی ، بچھائی فرشِ خوشی
کہ میرے گھر میں ہے آنے کا دلربا کا کاج[1]
جگت سوں بیکل تجھ عشق میں جو ہے قاسم
وو ڈھونڈ ڈھونڈ ترے در اوپر پھرا ہے آج

مجھے حوالہ کیا یارِ گل عذار قدح
ہزار جانِ گرامی کروں نثارِ قدح

۱۔ کاج = محفلِ شادی ۔

خبر نہیں ہے دو جگ کی مرے تئیں ہرگز
کہ بے حساب دیا ہے مجھے خمار قدح

چمن کے سیر کی نہیں آرزو رہی دل میں
مرے سیتی کوں گھلایا ہے جیو بہار قدح

بنا پیالہ نہیں کوئی دوجا مرا محبوب
کہ ہے نزدیک مرے لالہ رو نگار قدح

مدام پل پل (و) بھربھر دلا ارے ساقی
کہ ہے عجیب مرا یارِ غمگسار قدح

خمار آج مرے سر سیتی ہوا دو چار
مجھے کرم سوں پلا ساقیا دو چار قدح

خدا کے واسطے مجھ کوں منع نہ کر **قاسم**
کہ دل ضعیف کوں دیتا ہے خوش قرار قدح

مرے دل گھس گیا وو دلربا شوخ
پکڑتا خس کوں جیوں ہے کہربا شوخ

رہا ہے با مخالف راست آہنگ
مخالف راست کیشاں سیں ہوا شوخ

ہوا ہے آج وو دل دار مشفق
ہمن سیتی جو ساری عمر تھا شوخ

ہزاراں شکر تیرا یا الٰہی!
کہ مجھ سیتی کرم سوں آ ملا شوخ

جگت کے خوبرویاں میں ہمن نے
نہیں دیکھا کہیں تجھ سا پیا شوخ

نیازی ہوں تمھارا نازنینا !
نہ ہو اتنا ہمن سیں بے وفا شوخ
نگہ کر مہربانی کی **لیتن** سوں
پیا **قاسم** سیتی مت ہو سدا شوخ

جھلکار مکھ ترے کا ہے باجلی کے مانند
برسات مجھ انکھیاں کی ہے بادلی کے مانند
طوبیٰ کوں قد (نے) تیرے دی ہے بسے خجالت
جنت نہیں نگارا تیری گلی کے مانند
تیری فراق (نے اب) اے ماہ راست آہنگ
دل کوں مرے کیا ہے اب بانسلی کے مانند
نیناں تری ہیں نرگس، دو گال گل کھلے ہیں
ہے دہن تنگ تیرا اے گل کلی کے مانند
پہنا ہے آج شاید پیو صندلی قبا کوں
رنگ جہاں ہوا ہے سب صندلی کے مانند
دکھ دل مرے کا کھونا نئیں ہے مجال کس کو
گر سب حکیم آون مل بوعلی کے مانند
اے آشنا کرم سوں اک بار آ درس دے
مشتاق ہے تمھارا **قاسم**، **ولی** کے مانند

☆ ☆ ☆

۱۵

فقیر غلام علی زنگیجہ

(۱۱۸۰ھ؟ — ۱۲۵۵ھ)

فقیر غلام علی 'کنڈڑی' کے مشہور بزرگ اور شاعر روحل فقیر کے دوسرے فرزند تھے - 'شاہو سائیں' ان کے بڑے بھائی تھے، جو اپنے والد روحل فقیر کی وفات پر پہلے سجادہ نشیں ہوئے - غلام علی کو شاہو سائیں سے عقیدت تھی اور راہِ طریقت میں وہ ان کے مرید ہوئے - غلام علی کے دو فرزند ہوئے : روحل فقیر ثانی اور فقیر نواب خاں - روحل فقیر ثانی اپنے والد غلام علی کی وفات کے بعد سجادہ نشیں ہوئے - فقیر نواب خاں سندھی زبان کے شاعر تھے اور 'کافیاں' کہتے تھے - فقیر غلام علی نے ۱۸۳۹ع/۱۲۵۵ھ میں وفات پائی اور 'کنڈڑی' میں ہی دفن ہوئے -

فقیر غلام علی ایک صوفی منش بزرگ تھے - انھوں نے سندھی، سرائیکی اور ہندی زبان میں اشعار کہے ہیں - سندھی اور سرائیکی میں ان کی 'کافیاں' محبت سے بھری ہوئی ہیں - ان میں انھوں نے اپنے مرشد 'شاہو سائیں' کے فیض و عرفان کا ذکر کیا ہے - بعض سرائیکی 'کافیوں' کے تھلہوں (مطلعوں) میں اردو زبان کے الفاظ اور فقرے

بھی نظم کیے گئے ہیں ۔ مثلاً :

کل فقیر کوں کیتم[1] سجدہ ، **شاہو شاہ** ہمارا

پیر اساڈا ظاہر ہویا ، **شاہو شاہ** سڈاوندا[2]

دو دناں کا میلا ـــ میلا میلا سوئی میلا

روحل اور مراد کی تقلید میں غلام علی نے بھی ہندی زبان میں شاعری کی ہے ۔ ان کی ایک 'ہوری' ملاحظہ ہو :

پریم نگر کے مانہہ ، شیام سوں کھیلوں ہوری
بندرا بن موں بین بجاوے ، چشماں لاوت چوری
عطر عبیر کی دھوم متی ہے ، کیسر بھرت کٹوری
گگن منڈل موں دامنی چمکے ، انحد کی گھنگھوری
آپ سوں آپ ہیں کھینچ لیو ہے ، پاسے پریم کی ڈوری
شاہو شاہ کے سرنے آیا ، پریت لاگی تب موری
غلام علی اب گیان گلی میں ، ملیو شام کشوری

☆ ☆ ☆

۱۔ کیتم = میں نے کیا ۔
۲۔ اساڈا = ہمارا ۔ سڈاوندا = (اپنا نام) کہلاتا ہے ۔

۱٦

دریا خاں زنگیجہ

(۱۱۹۰ھ؟ — ۱۲۷۰ھ)

دریا خاں 'کنڈڑی' کے مشہور بزرگ روحل فقیر کے سب سے چھوٹے فرزند تھے - ان کی ولادت سنہ ۱۱۹۰ھ کے لگ بھگ کنڈڑی (ضلع خیرپور) میں ہوئی - چونکہ بچپن میں ہی والد کا انتقال ہوگیا اس لیے ان کی تربیت ان کے بڑے بھائی فقیر غلام علی کے ہاتھوں ہوئی - فقیر غلام علی اپنے والد روحل فقیر کے سجادہ نشیں تھے اور دریا خاں نے ان کو اپنا مرشد تسلیم کر لیا تھا -

دریا خاں کے حقیقی بھائی خدا بخش بھی ان سے بڑے تھے اور سرائیکی زبان کے شاعر تھے - اس نے سنہ ۱۸۴۳ع میں انتقال کیا - دریا خاں غالباً اپنے بڑے بھائی خدا بخش کی وفات کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہے -

دریا خاں کا سندھی اور سرائیکی کلام 'بیتوں' (ابیات) اور کافیوں' پر مشتمل ہے - وہ سندھ کے مشہور کافی گو شاعروں میں شمار ہوتے ہیں - اپنے والد کی طرح انھوں نے بھی 'ہندی' میں شعر لکھے جو دوہوں ، بانیوں اور شبدوں پر مشتمل ہیں -

دوہے

پریم تو میرے وس نہیں ، پریم نہ میرے ہاتھ
ستگُر سا ودوان ہو کہہ سمجھائے بات

رام رام کے نام سوں جن کو لاگی پریت
دریا خاں ایہہ سنسار سوں ہاری لیوی جیت

پریم پار کھو کوئی نہیں جو کرے پریم پچھان
دریا خاں جس گھٹ پریم ہے وہاں ہے پر گھٹ گیان

روگی روگ سریر کی سنگت ، نام سوں جیوں جل پانی
دریا خاں آس نراس برابر ، جو دیکھا ہے سو فانی

بانی

مت بھولو من مت بھولو
ہر نام سمر من مت بھولو
ستگُر سبد میں آلٹ سماہو
کایا کاشی تیرتھ نایو
من کی پنج مواس منایو
گیان ہنڈولے میں جھولو

شبد

شام سندر آیو رے، سکھی میرو کان
بندرا بن میں کھیلے ہوری، سنمکھ شام کشوری
رادھا روپ بنایو رے
پانچ سکھی مل منگل گاؤ، چنگ مردھنگ کی چوٹ چلاؤ
رنگ رس تال بجایو رے
دریا خاں اے پد تب ہیں پایا، ستگر سبد میں سہج سمایا
آپ آپے گن گایو رے

☆ ☆ ☆

۱۷

میر کرم علی خان کرم

(۱۱۸۷ھ ؟ – ۱۲۴۴ھ)

میر صوبیدار خاں شہید کے چار ہونہار فرزندوں (میر فتح علی خاں ، میر غلام علی خاں ، میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں) میں سے میر کرم علی خاں تیسرے نمبر پر تھے۔ سنہ ۱۲۰۶ھ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ کلامِ پاک بھی حفظ کیا جس کے لیے میر عظیم الدین ٹھٹوی نے کہا :

میر حافظ کرم علی کردہ حفظِ قرآں بطالعِ افوق
عقلِ کل سالِ ایں نویدِ عظیم گفت "حفظ کلام واحد حق"

۱۲۰۶ھ

'سرکارِ عظمت مدار' میر کرم علی خاں اپنے بڑے بھائی میر غلام علی خاں کی وفات (۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ع) پر سندھ کے حکمران اور امیروں کے سربراہ بنے۔ وہ سخن سنج و سخن پرور تھے۔ طبع موزوں پائی تھی۔ تخلص 'کرم' کرتے تھے۔ ان کا دربار اہلِ علم و فن اور شعرا کا مرجع اور مرکز بن گیا تھا۔ میر عظیم الدین عظیم ، منشی صاحبراء آزاد ، آقا محمد عاشق اصفہانی ، مرزا مظہر ، نواب ولی محمد خاں

ولی لغاری ، میر ہوتک افغان ، سیّد طباطبائی ، میر سیّد علی مشتاق ، مخدوم نور محمد بوبکائی ، آخوند نور محمد ہالائی ، مرزا خسرو بیگ ، میر کاظم شاہ سرخوش ، سلیمان حاجی اور عبدالمجید جوکھیہ مجیدی وغیرھم شعرا ان کے کرم و قدردانی سے بہرہ ور ہوئے ۔ فارسی شعرا کے دو تذکرے "محک خسروی" اور "زبدۃ المعاصرین" ان کے دور میں مرتّب ہوئے ۔

۱۲ جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۴ھ میں وفات پائی ۔ "باغِ رام" (۱۲۴۴ھ) اور "بادا بہشتش بارگاہ" (۱۲۴۴ھ) سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے ۔ وہ حیدرآباد میں دفن ہوئے ۔ ان کا مقبرہ عہدِ تالپور کے فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے ۔

کرم علی خاں 'کرم' سندھ کے تالپور حکم رانوں میں سے پہلے سربرآوردہ شاعر تھے ۔ ان کے فارسی کلام "دیوانِ کرم" کا قلمی نسخہ موجود ہے ۔ اردو میں بھی اشعار کہتے تھے ۔ ان کے کلام کا "انتخابِ لاجواب" آخوند محمد بچل 'انور' نے مرتّب کیا ۔ اس میں کرم کے اردو اشعار بھی ملتے ہیں ۔ یہاں ایک غزل نمونے کے طور پر دی جاتی ہے ۔ زبان کس قدر صاف و شستہ ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے 'کرم' موجودہ دور کا شاعر ہے :

صبحدم یاد مجھے چاکِ گریباں آیا
پھر تصوّر میں مرے وہ رخِ تاباں آیا

سیرِ گلشن میں نظر میری پڑی غنچوں پر
دل میں پھر میرے خیالِ لبِ خنداں آیا

سیرِ بستاں میں مرے سامنے سنبل آیا
دل یہ بولا کہ وہی گیسوئے پیچاں آیا
سرو کو باغ میں دیکھا جو کہیں ہم نے کرم
یاد مجھ کو وہیں وہ سروِ خراماں آیا

✡ ✡ ✡

۱۸

میر مراد علی خاں علی

(۱۱۸۸ھ؟ — ۱۲۴۹ھ)

'سرکارِ جہاں مدار' میر مراد علی خاں 'علی' اپنے بڑے بھائی میر کرم علی خاں 'کرم' کی وفات کے بعد ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ع میں سندھ کے امیر کبیر ہوئے۔ کرم علی خاں 'کرم' کے بعد مراد علی خاں 'علی' کا دربار فن و ادب کا گہوارہ بنا رہا۔ وہ صاحبِ ذوقِ سلیم تھے اور فارسی ''دیوانِ علی'' بطورِ یادگار چھوڑا۔ سنہ ۱۲۳۷ھ میں ''محکِ خسروی'' کو مرتب کیا جو زیادہ تر معاصر شعرا کے منتخب کلام پر مشتمل ہے۔ طب سے بھی خاص دلچسپی تھی اور ۱۲۴۶ھ میں انھوں نے فارسی میں ''طبِ مراد'' تصنیف کی۔

۶ جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ع میں وفات پائی اور حیدرآباد میں دفن ہوئے۔

علی نے فارسی کے علاوہ اردو میں بھی غزلیں کہیں۔ ان کی ایک غزل ملاحظہ ہو:

مجھ پر جو ہے احسان گراں بار صنم کا

میں کیا کہوں، ہوں میں تو خریدار صنم کا

نکلا جو کبھی مہرِ مبیں ابرِ سیہ سے
یاد آیا مجھے چہرۂ گلنار صنم کا
کیا سرو کو نسبت قدِ موزوں سے کوئی دے
وہ خود ہی ہے گرویدۂ رفتار صنم کا
ہے عرض علی کا تری سرکار میں مولٰی
دکھلاؤ مجھے جلد ہی دیدار صنم کا

☆ ☆ ☆

۱۹

میر غلام علی مائل

(۱۱۸۱ھ - ۱۲۵۱ھ)

میر غلام علی 'مائل' سندھ کے مشہور مؤرخ ، شاعر اور مصنّف میر علی شیر 'قانع' کے ہونہار فرزند تھے - وہ سنہ ۱۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے - اپنے چچا میر ضیاء الدین 'ضیا' اور اپنے چچا زاد بھائی میر عظیم الدین 'عظیم' کی صحبتوں سے مستفید ہوئے اور ان کے شاعرانہ ذوق میں اضافہ ہوا - 'مائل' تخلص اختیار کیا - وہ تالپوری عہد کے شاعر تھے اور میر کرم علی خان 'کرم' نے انھیں خاص طور پر نوازا - چنانچہ مائل اپنے قصائد ، منقبت اور نظموں میں اکثر ان کا ذکر کرتے ہیں -

انھوں نے ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۱ھ میں ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی -

مائل فارسی زبان کے پرگو شاعر تھے - انھوں نے غزلیں ، منقبتیں ، سلام اور مرثیوں کے علاوہ تاریخی قطعات اور نظمیں بکثرت لکھیں - تاریخ گوئی میں انھیں خاص ملکہ حاصل تھا اور اس 'فن' میں شاید ہی کوئی دوسرا شاعر ان کا ہم پلہ ہو - اپنے زمانے اور اپنے ماحول

کے تقریباً ہر اہم واقعے کی تاریخ لکھی - ان کے متعدد قطعات سے
سندھ کے تاریخی واقعات پر کافی روشنی پڑتی ہے -[1]

مائل اردو کے بھی بلند پایہ شاعر تھے - یہاں ہم ان کے ایک
مرثیے اور سلام سے اقتباس پیش کرتے ہیں :

مرثیہ

پھر ہوا ہے مہ عزائے حسین
پھر ہوا ہے مہ جفائے حسین

دیکھ اس غم میں کربلائے حسین
دھر دشت بلا ہے وائے حسین

ہے جہاں پُر خروش اس غم سوں
آسماں سبز پوش اس غم سوں

دل و جاں خوں بجوش اس غم سوں
خوں بگریند از برائے حسین

مائل اس غم سوں ہے سدا غمناک
با دلِ خستہ و جگر پُر چاک

دو جہاں میں اسے نہیں کوئی باک
دارد آمید از شفائے حسین

سلام

اے صبا ! جا در مدینہ مصطفیٰؐ کوں کہہ سلام
اس سراپا نورِ ذاتِ کبریا کوں کہہ سلام

۱- ملاحظہ ہو "کلیاتِ مائل" ، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ، کراچی ۱۹۵۹ع -

آفتابِ اوجِ دیں ، بدر الدجٰی کوں کہہ سلام
نورِ مجمل ، حضرتِ نور الھدیٰ کوں کہہ سلام
اے صبا ! بعد از سلامِ آں رسولِ مقتدا
جا شتابی در حریمِ حضرتِ خیر النسا
از ادب استادہ با صد زاری و صد التجا
بضعۂ ذاتِ رسولِ مقتدا کوں کہہ سلام
اے صبا پھر در جنابِ چاردہ معصومِ پاک
از دلِ **مائل** کہ ہے غم سیں اُنوں کے سینہ چاک
پھر دفعِ زخم ہائے سینۂ آں دردناک
ایک اک معصومِ آلِ مصطفیٰؐ کوں کہہ سلام

☆ ☆ ☆

میر محمد نصیر خان جعفری

(۱۲۱۹ھ — ۱۲۶۱ھ)

'سرکار فیض آثار' میر محمد نصیر خان ابن میر مراد علی خان ، سندھ کی آزاد حکومت کے آخری فرماں روا تھے - ۱۴ محرم الحرام سنہ ۱۲۱۹ھ میں ، قلعۂ حیدر آباد میں پیدا ہوئے - اُن کی تعلیم کے لیے ایک ایرانی عالم اور آخوند محمد بچل متعلوی مقرر ہوئے - اپنے والد میر مراد علی خاں کی وفات پر وہ اپنے بڑے بھائی میر نور محمد خاں کے ساتھ سندھ کے حکمران ہوئے -

۱۸۴۳ع میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا تو ۱۷ فروری ۱۸۴۳ع کو میر صاحب بھی گرفتار ہو گئے - پہلے بمبئی بھیجے گئے اور وہاں سے ساسور ، جہاں ایک سال تک قید رہے - اس کے بعد انھیں کلکتے منتقل کر دیا گیا - اپنی تکالیف کا بیان انھوں نے اپنے منظوم فارسی "سفر نامہ" میں کیا ہے جو نہایت دل گداز ہے :

ز بعدِ جفا و ستم بیکراں
ز ملکم کشیدند ایں سو رواں

نخستیں چو در بمبئی آمدیم
یکی ماہ آنگہ بہ ہمدم زدیم

ازان جای منزل بہ منزل رواں
بہ پونہ رسیدیم با سوزِ جاں

دو روز و دو شب بودم آن جائگاہ
بہ روزِ سوم بر گرفتیم راہ

بہ گشتیم زاں جائگہ رہگرای
سوے شہر 'ساسور' محنت سرای

بہ ساسور بودیم سالِ تمام
گرفتار در رنج ھر صبح و شام

ز ساسور اوّل بہ 'پونہ' شدیم
دو روز و دو شب نیز آنجا بدیم

ز پونہ بہ منزل بہ منزل رواں
رسیدم بہ 'پنویلی' از دردِ جاں

سہ روزہ دگر بود آنجا مقام
گرفتار از غم بہر صبح و شام

بہ روز چہارم بہ غم بے شمار
بہ گشتیم ما بر بتیلہ سوار

ابر آگبوٹ 'تناسر' بہ نام
سوارہ بہ گشتیم ناکام کام

سخن مختصر ما ازاں جائے گاہ
سوے کلکتہ سر گرفتیم راہ

دو ھفتہ چو کشتی بہ پیمودہ راہ
بیامد شتابان بوقتِ پگاہ

درون کلکتہ شہر آمد ز راہ
نمودند لنگر دراں جائے گاہ

بہ بودیم آں شب بہ کشتی دروں
سرِ صبح کردند زانجا بروں
بہ دمدم بہ دادند جائے قیام
نمودیم آں جایگہ ما مقام

اس زمانے میں انھوں نے اپنے عزیزوں کو جو خطوط لکھے، وہ ''مکاتیبِ جعفری'' کے نام سے ان کے نامور فرزند میر حسن علی خان 'حسن' نے مرتب کیے۔ میر محمد نصیر خاں 'جعفری' نے قیدِ فرنگ میں کلکتہ کے قیدخانے میں ۷ ربیع الثانی ۱۲۶۱ھ کو وفات پائی اور ان کی نعش کو لا کر حیدر آباد (سندھ) میں دفن کیا گیا۔

'جعفری' علم و ادب کے مربی اور شعر و سخن کے بڑے قدردان تھے۔ ان کے دور میں بہت سے باکمال ادیب و شاعر آ کر حیدر آباد میں آباد ہو گئے تھے، اور میر صاحب سے ان کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ جس طرح بہادر شاہ ظفر کے بعد دہلی اور واجد علی شاہ کے بعد لکھنؤ ویرانہ ہو گیا، اسی طرح جعفری کے بعد حیدر آباد میں بھی علم و ادب کا چراغ گل ہو گیا۔

فارسی میں ان کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) دیوانِ جعفری (سالِ تصنیف ۱۲۲۳ھ)۔
(۲) مثنوی مرزا صاحباں مصوّر (تصنیف ۱۲۳۵ھ)۔
(۳) مثنوی مختار نامہ باتصویر (۱۲۴۱ھ)۔
(۴) سفر نامۂ جعفری (۱۲۶۰ھ)۔
(۵) مکاتیبِ جعفری۔

''تکملہ'' کے مصنّف ابراہیم خلیل نے ان کے ''دیوان مختصر در ہندی'' کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان کا ''دیوان جعفری'' اُردو میں ہے جو انھوں نے ساسور اور کلکتہ میں قید کے زمانے میں سنہ ۱۲۶۱ھ میں

مرتب کیا ۔ دیوان اتنا "مختصر" بھی نہیں کیونکہ اس میں ۱۲۲ اردو نظمیں ، ۸ اردو مخمس ، ۳ فارسی غزلیں اور ۲ فارسی مخمس شامل ہیں ۔ "دیوانِ جعفری" کی ایک غزل یہ ہے :

مرا سینہ تو ہے گنجِ سعادت عشقِ جاناں کا
یہ سر ہے بہرِ سجدہ ، شکر کرتا ہوں میں سبحاں کا
پڑا ہوں بسترِ غم پر ، نہیں گر پوچھنے والا
ترا دیدار چارہ ہے دلِ بیمارِ ہجراں کا
کروں تعریف قد کی ، یا کروں زلفِ پریشاں کی
زباں سے کچھ بیاں ہوتا نہیں اس شاہِ خوباں کا
ہوئی ہیں شرمگیں آنکھوں سے تیری ، چشمِ آہو بھی
خجل ہوتا ہے تیرے رخ سے رخ خورشیدِ تاباں کا
دعاے **جعفری** صبح و مسا گر ہے تو بس یہ ہے
کہ روضہ دیکھ لوں میں یا خدا شاہِ خراساں کا

ایک منقبت ملاحظہ ہو[1] :

تم سوا کوئی وصی احمدِ مختار ؐ نہیں
جانشیں نبوی دین کا سردار نہیں
ذوالفقار ایسی جہاں میں کوئی تلوار نہیں
مرتضیٰ شاہِ ولایت سا سپہدار نہیں
یا علی جلد خبر لیجیے از بہرِ خدا
تجھ سوا اور کوئی میرا مددگار نہیں
مشکل آسان کرو **جعفری** کی یا حیدر
میں تو چھوڑوں گا قدم آپ کا زنہار نہیں

۱۔ از بیاضِ مرزا گل حسن 'احسن' کربلائی مرحوم ۔

میر نصیر خاں کا یہ مخمس قیدِ فرنگ میں ان کے رقّت آمیز جذبات کی ترجمانی کرتا ہے :

اس گھڑی مشکل مری آساں کرو
درد میرے کا ابھی درماں کرو
قید سے چھڑوا مجھے شاداں کرو
بہرِ خالق اب مجھے خنداں کرو
کر مری مشکل کشائی یا علی

غم کے دریا میں پڑا ہوں مستمند
اور مجھے ناحق کیا ہے قید و بند
پھر کرو مجھ کو عطا بختِ بلند
دین دنیا میں مجھے کر ارجمند
کر مری مشکل کشائی یا علی

جعفری کو عفو کر جو ہیں گناہ
ہے تمہارے پاس وہ بھی داد خواہ
دو جہاں میں تم تو ہو شاہوں کے شاہ
پھر مجھے دو تخت و بخت و عزّ و جاہ
کر مری مشکل کشائی یا علی

☆ ☆ ☆

۲۱

میر صوبیدار خاں میر

(۱۲۱۷ھ — ۱۲۶۲ھ)

بانیِ حکومتِ تالپوراں میر فتح علی خاں کے صاحب زادے میر صوبیدار خاں ۹ محرّم ۱۲۱۷ھ کو پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو 'سرکارِ حشمت مدار' کے لقب سے پہلے اپنے چچا اور بعد میں چچا زاد بھائیوں کے ساتھ سندھ کی حکومت میں شامل رہے۔ 'صوبیدار جہاں فتح علی' اور 'ظلّ احمد تاج فرق صوبیدار' ان کے سجعے تھے۔ دھوکہ کھا کر انگریزوں کے ساتھ سازش میں شریک ہوگئے، لیکن جب انگریزوں نے قلعہ حیدرآباد پر قبضہ کیا تو ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۴ رجب ۱۲۶۲ھ میں کلکتہ میں قید فرنگ کی حالت میں انتقال کیا۔ خدا آباد (نزدیکِ بالا ضلع حیدرآباد) کے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

صوبیدار خاں المتخلص بہ 'میر' کو علم و ادب سے بے حد دلچسپی تھی۔ وہ فارسی کے 'پرگو شاعر تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) دیوانِ میر، فارسی ۱۲۴۰ھ۔

(۲) مثنوی فتح نامۂ سندھ، فارسی، ۱۲۴۴ھ۔

(۳) مثنوی سیف‌الملوک، فارسی، ۱۲۴۷ھ۔

(۴) مثنوی خسرو و شیریں ، فارسی ، ۱۲۵۱ھ -

(۵) مثنوی قصۂ ماہ و مشتری ، فارسی ، ۱۲۵۲ھ -

(٦) مثنوی جدائی نامہ ، فارسی ، ۱۲٦۰ھ -

ان کے علاوہ ایک کتاب "خلاصۃ التداوی" مرتّب کی جو مجرّباتِ طب پر مشتمل تھی -

میر صوبیدار خاں اپنے فارسی دیوان کی ابتدا میں لکھتے ہیں کہ ان کے تین دیوان گم ہوگئے ہیں :

سہ دیوان پیش ازیں گم شد ز دستم
بہ ترتیب آمد از طبعِ درستم

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے موجودہ دیوان سنہ ۱۲۴۰ھ میں تصنیف کیا -

فارسی کے علاوہ 'میر' نے سندھی اور اُردو میں بھی طبع آزمائی کی - ان کی ایک اُردو غزل ملاحظہ ہو :

اے دل ہے سنی تو نے تو اخبارِ محبت
کیوں تجھ کو پسند آ گیا آزارِ محبت
کیوں آیا نہ ابتک وہ کوئی اس سے یہ پوچھے
ہے اب تو کوئی دم کا یہ بیمارِ محبت
شیریں سخنی ختم ہوئی تیرے لبوں پر
بے مثل ہیں یہ لعلِ شکربارِ محبت
دعوائے محبت سے ہے کانٹوں میں اُلجھنا
کیوں مدّعی بنتا ہے گراں بارِ محبت

☆ ☆ ☆

۲۲

سیّد قنبر علی شاہ بھاڈائی

(۱۲۰۰ھ؟ — ۱۲٦۴ھ)

سیّد قنبر علی شاہ کے والد کا نام بچل شاہ تھا جو 'بھاڈ' نام کے گاؤں (شہر سجاول سے دس میل دور جنوب میں ، تحصیل جاتی ، ضلع ٹھٹہ) میں رہتے تھے - وہیں پر سیّد قنبر علی شاہ سنہ ۱۲۰۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور اپنے مولد 'بھاڈ' کی نسبت سے 'بھاڈائی' مشہور ہوئے - بارہ برس کی عمر میں قنبر علی شاہ 'گنبالی' نام گاؤں (تحصیل گھوڑا باری ، ضلع ٹھٹہ) میں منتقل ہوئے اور وہاں پر ہی مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی -

شاہ صاحب تزکیۂ نفس کے لیے زہد و عبادت کی طرف متوجہ ہوئے اور کافی صعوبتیں برداشت کیں - وہ ایک اہلِ دل اور صاحبِ حال صوفی تھے - اندازاً چونسٹھ برس کی عمر میں بہ تاریخ ۲۵ ماہ ذی الحجہ ۱۲٦۴ھ میں فوت ہوئے اور اپنے گاؤں 'گنبالی' میں دفن ہوئے جہاں پر ان کا مزار مرجعِ خاص و عام ہے -

قنبر علی شاہ سندھی زبان کے سربرآوردہ شعرا میں سے تھے اور 'شریف' تخلص کرتے تھے - حضرت شاہ عبداللطیف کی نہج پر 'بیتوں' اور 'وائیوں' میں اپنے 'رسالے' کو منظوم کیا - اس 'رسالے' میں

''سر بیراگ بندی'' کے تحت انہوں نے ہندی میں دوہے نظم کیے جن میں سے اکثر ضائع ہو چکے ہیں ۔ نمونے کے طور پر ان کا ایک دوہا قلمبند کیا جاتا ہے:

رام بھگت ایکانند ہے ، جے سر پائے ساز
شریف پنتے بکھیا[1] روٹی کے لحاظ

☆ ☆ ☆

١۔ بکھیا پنتے = بھیک مانگتے ۔

۲۳

نظر علی فقیر زنگیجہ

(۱۲۲۵ھ؟ — ۱۲۶۵ھ)

خدا بخش سائیں کے فرزند اور 'روحل فقیر' کے پوتے تھے۔ 'کنڈڑی' میں تولّد ہوئے۔ ان کے والد خدا بخش سائیں جب ۱۲۴۳ھ میں فوت ہو گئے تو نظر علی نے راہِ طریقت میں اپنے چچا دریا[۲] خان فقیر سے ہدایت لی اور ان کو اپنا مرشد تسلیم کر لیا:

"دان دھیان گیان دریا خان، گور داتا موہ دیجیے"

فقیر نظر علی نے سندھی، سرائیکی، ہندی اور اردو میں اشعار کہے جن میں سے ۶ شبد اور ۱۶ کافیاں 'کنڈڑی' کے بزرگوں کے مجموعۂ کلام (قلمی) میں بندۂ راقم کی نظر سے گذریں۔ ایک فارسی شعر ہے:

دلم دلدار می‌جوید ، تنم آرام می خواھد
عجائب کشمکش دارم کہ جانم سفت می‌کاھد

نظر علی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

دل چاہے دلدار کو ، تن چاہے آرام
دبدھیا میں دونوں گئے ، مایا ملی نہ رام

اپنے ایک دوہے میں کہتے ہیں :

دان دھیان گیان **دریا خاں** ، گور داتا موہ دیجیے
نظر علی مری آد کی پریت اب چھانی کیونکر کیجیے

ایک دوسرے دوہے میں توحید کی ترغیب دیتے ہیں :

نظر علی اک صاحب جانو آس بن اور نہ دوجا جانو

نظر علی فقیر کی دو 'کافیاں' ملاحظہ ہوں جن میں سے دوسری صاف اُردو میں ہے :

کافی ۱

ھک تو ھری مرے هردے بسے میں تو اور کچھو نہیں جانوں
۱۔ سادہ سنگت وڈ بھاگ آوے مستک بھاگ سے پربھو پاوے
آتم رام دھیاؤں
۲۔ سم سم پربھو پایو جنھیں انند سکھ ہے گھٹ تنھیں
گیت گرو گن گاؤں
۳۔ دھن دھن سادھجے ہر ہر نالے من میں مست مگھن متوالے
آتم آلٹ سہاؤں
۴۔ گور **دریا خاں** پیالہ جو پایا جنم مرن کا دکھ مٹایا
انحد ناد بجاؤں
۵۔ **نظر علی** اپناسی دھیاؤں انبھؤ دیس میں نگر بساؤں
امرا (پور) پد پاؤں

کافی ۲

اِدھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ چل تو یار کے ڈیرے
اُدھر تن مجھ سے کہتا ہے کہ تو دکھ مجھ کو مت دے رے

۱۔ جو کہنا دل کا سنتا ہوں تو وہ رہتی ہے گھر میرے
اگر تن کی سنوں باتیں ، تو پھر دکھ دیوے بہتیرے
۲۔ نہ دل مانے نہ تن مانے ، ہر اک اپنی طرف پھیرے
کروں میں کیا لطو ، ایسی جو مشکل آن کر گھیرے

۴۴

محمد یوسف فقیر اگڑہ

(۱۲۰۰ھ ؟ — ۱۲۶۹ھ)

فقیر محمد یوسف ضلع خیرپور کے ''اگڑا'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے - وہ اگڑہ قوم سے تعلق رکھتے تھے اور مشہور درویش اور شاعر سچے ڈنہ عرف 'سچل' کے مرید تھے - مشہور ہے کہ وہ امرتسر گئے اور وہاں سے واپسی پر خود کو 'نانک شاہ یوسف' کہلوانے لگے اور عوام میں 'نانک یوسف' کے نام سے مشہور ہوگئے - وہ ایک اہلِ دل درویش تھے - لوگ ان کے مرید ہونے لگے - بیعت لیتے وقت وہ مرید سے اردو میں یہ الفاظ کہتے تھے کہ ''تم بھی سچے کا ، میں بھی سچے کا -''

فقیر محمد یوسف جامہ پہنتے تھے اور پیروں میں گھنگھرو باندھ کر گاتے اور مستی میں ناچتے تھے - موسیقی سے خاص شغف تھا - انھوں نے ۹ جمادی الاول ۱۲۶۹ھ میں وفات پائی - ان کی وفات پر فقیر قادر بخش 'بیدل' نے یہ قطعہ تاریخ کہا :

سالِ وصلش خرد بجہت سروش
گفت ''طائر بہ آشیاں رفتہ''

۱۲۶۹ھ

فقیر محمد یوسف نے فارسی میں اشعار کہے اور سندھی اور سرائیکی زبانوں میں کافیاں بکثرت کہیں ۔ ان کے مجموعہ کلام کے ایک قلمی نسخے سے راقم نے سنہ ۱۹۵۶ع میں استفادہ کیا جس میں بعض کافیوں کے مطلعے اردو میں تھے اور بعض پوری پوری کافیاں اردو میں تھیں ۔ نمونے کے طور پر ہم بعض کافیوں کے مطلعے اور مصرعے اور بعض پوری کافیاں[1] درج کر رہے ہیں :

ہم دیکھا ہے دیدار ، بندہ بازار ، تماشا پل پل کا وہ واہ
ہم جاؤں گی بلہار ، ہمارے یار حسن کا جل جھلکا وہ واہ
جب پیتا جام شراب ، ہوا بیتاب ، نشہ میں خواب ، غرق در 'ھُو'
جوں بھونرا میں گلزار ، مقیّد دار زلف کے سلسل کا وہ واہ

براہِ عشق عاشق دم برو رو رو و ہو ہو ہو
رکھو دونوں جہاں دل غم برو رو رو و ہو ہو ہو

یار یوسف یار ہے هادی همہ دیدار ہے

ہے ہر جا حکم تمہارا سن ہادی حال ہمارا

تحقیق تجھ درس ِبن فریاد میں مروں گی
تم داد کے ہو صاحب ، امداد میں مروں گی

۱- 'کافیاں' عروض کی پابند نہیں ۔ ان کے مطلعے اور مصرعے الحان پر مبنی ہیں ، نہ کہ ارکانِ عروض پر ۔

تجھے دل درد رکھتے ہوں ، نہ مرتے ہوں نہ جیتے ہوں
خدا کے واسطے مجھ پر ، پڑا ہے شوق کا شعلا

مجھ سیں بناتا ہے صنم　　　نو نو گوڑھے نین

عشق امام ہمارا ہے　　　دو جگ یار نظارا ہے

پیا ! ترے مکھ پر خال خال کالے یوں
دو زلف بسیہر بال بال کالے یوں

میں پیا مے ناب تجھ لب کا
سو گلگوں شراب تجھ لب کا

ہیم مصحف رخ تمھارا ہے
ہم پڑھتے کتاب تجھ لب کا

ساون میگھلو برشن آیو

بن بن پھولیں سہج سہایو

۱- گگن گرجت ، لرجت ، برجت
دامنی جھم جھمکایو ، سہج سہایو

۲- گھگھنت گھن گھن ، بولدن پھن پھن
چپلا چمک درایو ، سہج سہایو

۳- اچھی رت پھلے پھل بادریو برشے
سب جیئڑے سکھ پایو ، سہج سہایو

۴- **یوسف** ڈرم ڈرم میگھ موہن من
بریم برج برسایو ، سہج سہایو

تورے زلف کا زنجیر سورے گل میں دام ہے
تجھ دید میں دمِ عید جاجم کا جام ہے
۱- منصب ہے عشق عاشق، مقصود یک نگاہ
مجھ کوں بہ آستانہ، مسجد سلام ہے
۲- در پیچ زلف نانک یوسف تو آمدہ
تڑپھن سوں چھوٹے ناہیں، چھوٹا کلام ہے

کافی

(موسیقی لئے)

اے توم توم تن اندر تا نا نا نا
دیہی دیہی دھم دھم تھا تھا تہ تھئی تھئی پریم
۱- گگن گرجت، بدرت برجت، ماتا جیٹڑو درجت چمکت
گجرت کا کا کا کا، سن دھن انحد بیٹا
۲- گت گت بانا بانا جھنگت، چھانا نانا ابر دو دُر مُکت
گھنگت گھنا نانا دِر دِر دِر در دھا دھا دھو دھو دھجیتا
۳- منگتت منگتت کرمت، رحمت یوسف تو شفقت
لطفت چاہتت، تاری تاری گھورمت تار بجیتا

☆ ☆ ☆

۲۵

نواب غلام شاہ لغاری

(۱۲۱۴ھ؟ - ۱۲۷۸ھ)

نواب غلام شاہ بن نواب غلام اللہ خاں لغاری، وزیراعظم نواب ولی محمد خاں لغاری کے بھتیجے تھے - سنہ ۱۲۱۴ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور والد کی زیرنگرانی تعلیم پائی - جب ان کے والد علاقۂ عمر کوٹ کے گورنر تھے تو وہ آن کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے تھے - پھر انھیں اسلام کوٹ (ضلع تھرپارکر) کا ناظم مقرر کیا گیا جہاں انھوں نے ''سوڈھوں'' کی بغاوتوں کا قلع قمع کر دیا - ان کے والد نواب غلام اللہ خاں کی وفات (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۸ع) کے بعد والیِ سندھ میر نور محمد خاں نے نواب غلام شاہ کو علاقہ 'جاتی' کا ناظم مقرر کیا، تاکہ 'ریاست کچھ' میں انگریزوں کی سازشوں پر نظر رکھی جا سکے - سنہ ۱۸۳۸ع کے آخر میں انگریزوں نے شاہ شجاع کو کمک پہنچانے کے بہانے سے اپنی بمبئی والی فوج سندھ میں داخل کرنے کی کوشش کی - یہ فوج سمندر سے دریائے سندھ کے راستے 'وکر بندر' (ضلع ٹھٹہ) پہنچی، لیکن نواب غلام شاہ انگریزوں کی آمد سے ایک مہینہ پہلے اس سرزمین پر پہنچ گئے اور خریف کی فصل کے پورے اناج اور دوسری پیداوار پر اپنا قبضہ کر لیا - اس

کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کی فوج کو رسد مہیا نہ ہو سکی ۔

کرنل پاٹنجر ، جو انگریزوں کی طرف سے حیدرآباد میں سفیر تھا ، اس نے یکم دسمبر ۱۸۳۸ع کو گورنمنٹ آف برٹش انڈیا کو آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ ۲۷ نومبر کو اسے لیفٹیننٹ اسٹوک کا خط ملا کہ فوج دریائے سندھ کے دہانے پر پہنچ گئی ہے ، لیکن غلام شاہ ، جنھیں میر نور محمد نے ایک ماہ پیشتر وہاں بھیج دیا تھا ، انھوں نے نہ صرف اناج اپنے قبضے میں کر لیا ہے ، بلکہ ہر قسم کی رسد کو فوج تک بھیجنے سے انکار کردیا ہے ۔

۱۸۴۳ع میں میر شہداد خاں نے نواب غلام شاہ کو اپنا سفیر بنا کر سر چارلس نیپئر کے پاس سکھر بھیجا جو ان سے بہت متاثر ہوا ۔ سندھ پر قبضے کے بعد سنہ ۱۸۴۳ع میں انگریزوں نے نواب غلام شاہ کو بدستور کاردار مقرر کیا اور وہ آٹھ سال تک اس ملازمت پر متعین رہے ۔

نواب غلام شاہ نے ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۶۱ع/۱۲۷۸ھ کو وفات پائی ۔ نواب موصوف نہ صرف انتظامی لیاقت رکھتے تھے ، بلکہ اپنے وقت کے ادیب ، شاعر ، حکیم اور اہلِ دل صوفی بھی تھے ۔ راہِ طریقت میں انھوں نے جھوک عرف میراں پور کے صوفی بزرگ فضل اللہ شاہ قلندر (وفات ۱۲۴۳ھ) سے فیض حاصل کیا ۔ سنہ ۱۲۶۶ھ میں شاہ قلندر کے ملفوظات پر مبنی کتاب ''درد نامہ'' کو نقل کیا جس کے آخر میں لکھا ہے :

''نسخۂ درد نامہ از دست حقیر غلام شاہ فقیر لغاری بتاریخ بیست و نہم ماہ رمضان المبارک بروز جمعہ سنہ ۱۲۶۶ھ صورت تحریر یافت ۔''

اس کے بعد انھوں نے خود سلوک اور معرفت کے متعلق فارسی میں

رسالہ ''انیس العاشقین'' لکھا - سنہ ۱۲۷۰ھ میں ''نسخہ' شلوک تصنیف نانک شاہ'' نقل کیا جس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے :

انند سنا تیرے گن گاواں

ہر دم تیرے نام دھیاں واں

آخر میں تاریخِ کتابت اس طرح قلمبند کی ہے :

''نسخہ' شلوک تصنیف نانک شاہ ساکن امرتسر ، مرشدش شاہ امانت اللہ صوفی ساکنِ ولایتِ کشمیر ، از دستِ امیدوارِ عفوِ عمیم بندۂ درگاہ الٰہی غلام شاہ لغاری بتاریخ بیست و سیوم ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۰ھ تحریر آمدہ -''

''نسخہ' ادویات'' کے نام سے طب کے مجرّب نسخے لکھے جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ ''نسخہ' ادویات بعضی از کتابہای و بعضی آزمودۂ خود بندۂ درگاہ غلام شاہ ولد غلام‌اللہ فقیر لغاری تجویز کردہ نوشتہ شد'' - سنہ ۱۲۷۴ھ میں ''نسخہ' ظفر نامہ'' نقل کیا جس کے آخر میں لکھا ہے کہ ''نوشتہ' ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۴ھ در شہر خان پور'' - تصوّف کے متعلق فارسی میں ایک کتاب بنام ''غوثیہ'' لکھی -

نواب غلام شاہ نے سندھی ، سرائیکی ، فارسی اور ریختہ میں بھی شاعری کی - موسیقی سے خاص شغف تھا اور مختلف 'دھنوں میں سیکڑوں 'کافیاں' منظوم کیں - 'کافیوں' پر مشتمل ان کی دو ضخیم بیاضیں بندۂ راقم کی نظر سے بھی گذری ہیں جن میں سندھی اور سرائیکی کافیوں کے علاوہ ''ریختہ'' میں بھی کافیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے - ایسی کافیوں کا عنوان خصوصاً ''ریختہ'' لکھ دیا گیا ہے -

یہاں پر ہم ان کی 'ریختہ کافیوں' کا انتخاب دے رہے ہیں -

ریختہ کافی روپ بلاول چوتال

آوو رے سجن ہمارے پاس
پریت لگی رے گگن گھنیری[1]
۱۔ دن رین جلتی جوں موم گلتی
- - - - - - - - - - - - - -
آٹھ پہر رہے تیری داس

۲۔ تیری تپش سوں جوش جگت ہے
'لا' کی تیغ سوں سیس کٹت ہے
تم ری پی پیاس

۳۔ غلام شاہ! سن تار باجت ہے
انحد گنگنا گہرا گاجت ہے
یار ملن کی آس

ریختہ روپ بلاول

مردھنگ مرلی مورے من بجے بجے
باجت تار ستار

۱۔ رمز ربانی روح باجت ہے — ناد انحد گجے گجے
قلب رہیو کلتار

۲۔ غلام شاہ کوں شاہ قلندر — دان دیو سائیں سچے سچے
پریم رس کو خمار

۱۔ گھنے ۔ ری = زیادہ ۔

روپ سارنگ ریختہ

واری رس رچ رہیو ، روح ہارو

محبت مجھ کسوں محو کیو | من ہمارے مچ[1] رہیو
انحد باجے بجت گھنیری | گگن ہمن پر گچ رہیو
غلام شاہ نوں قلندر ملیو | نام صاحب کو سچ رہیو

کافی روپ دے ۔ گندھار ریختہ

سانچی کیجے پریت صاحب سوں ، سانچی کیجے پریت
غلام شاہ تم جوش جگاوو ، عشق کی راکھو ریت

ریختہ روپ بروہ و روپ سارنگ

اے تن ہویا گرم گداز ، تیری تپش سوں موم گلت ہے
۱۔ عشق صاحب کا شاہیں ہویا ، تیز کرے پرواز
۲۔ بحر وحدت کی موج جگائی ، کیا نشیب و فراز
۳۔ غلام شاہ کا حال حقیقی ، من اندر ممتاز

کافی روپ کھنبات

چلنا ہے ، نہیں رہنا ، خاک مٹی سوں رلنا
۱۔ تار برہ دی[2] تن وجاوو ، سیس کاٹ پگ دھرنا
۲۔ غلام شاہ کا ہو کے رہیے ، صاحب نام سمرنا

۱۔ مچ = بڑی تیز آگ ۔
۲۔ برہ دی = برہ کی ۔

روپ سارلگ ریختہ

گگنے کی گھنگھور ، انے انے گگنے کی گھنگھور
آپ درونے پی پد پایا

۱۔ سرمنڈل سر ساز جو باجے ، باجے تار طنبور
۲۔ چوٹ لگی چوتال جو باجے ، باجے مردھنگ اور
۳۔ انبر آب حیاتی پیا ، من ہویا مخمور
۴۔ **غلام شاہ** نے قلندر پایا ، پایا پاک حضور

روپ سارلگ ریختہ

من کی مرلی اور باجے ، تار طلب طنبور باجے
۱۔ دشم دوارے دھن سن لاگے ، انحد گگنا گاجے
۲۔ **غلام شاہ** کو دھیان ذکر سوں ، دیا قلندر سانچے

ریختہ بروہ

عشقے ذات[1] دیوانہ ہے ، برہے ذات مستانہ ہے
حسن بن آوے ، اگن لگاوے
۱۔ لوگ ہمن سوں مت مت ملیے ، ہم خفتی خفقانہ ہے
کرتا یاد یگانہ ہے
۲۔ شاہ قلندر شاہ یہیں کا ، فضل اللہ فرزانہ ہے
ہم حلقہ بگوش شہانہ ہے
۳۔ ساقی صاف پیالہ دیا ، من مورے میخانہ ہے
خاص خمر خمخانہ ہے

۱۔ عشقے ذات = از قبیلۂ عشق ۔

۴- **غلام شاہ** سر انحد باجے ، کھلیا راز ربانہ ہے
دل اندر دردانہ ہے

دل مورے موں ، دوست کا ڈیرا ، سائیں کا ڈیرا
۱- قلب کے بیچ ہے کعبہ جو قبلہ ، بیچ بہے گنگا بیچ بہے دجلہ
من ماہیں تیرتھ میرا
۲- **غلام شاہ** کوں قلندر دیا ، پیالہ پریم کا پُر کر پیا
باجے انحد گھیرا

ریختہ روپ پرجھ

پی کی پیاس بھئے ، نیناں نیند نہ آوے
۱- پی بچھڑت ، ہم چین نہ کوئی ، نیناں سوں جل جاوے
۲- لوک سوتا ہم جوش جگاوت ، سیس کاٹ پگ پاوے
۳- انحد کی گھنگھور بجت ہے ، دم دم گوش رلاوے
۴- **غلام شاہ** کے تم آنگن آوو ، لوں لوں سہج سماوے[1]

ریختہ روپ بھاگرہ

بھلا لیجیے دوجا نام ، نام نورانی سمرن مدام
۱- نام صاحب سوں سبھ دکھ اُترے دیتا دل آرام
۲- کیجیے یاد وہاگ کے ویلے[2] ، صبح دم دم شام
۳- تئیں جگا کے نیند کو آوو ، راکھو طلب تمام
۴- عشق آواز سنو من مورے ، پیوو جگری جام

۱- رگ رگ میں سرور سمائے۔
۲- وہاگ کے ویلے = اُس وقت جب شب ڈھلتی ہے ، پربھات سے پیشتر۔

۵- عمر بھئی سبھ ہاتھ نہ آوے ، جگت نہ آوے کام
٦- **غلام شاہ** رہو سرن صاحب کے ، دونے جگ بسرام

کافی روپ رامکلی ریختہ ہندی

اے دل موری تجھ کے دیکھن بن ہوئیے دیوانی
۱- باب طلب سوں دن رین گذرتے ، 'ھو' لگی ہوری توری
۲- سرمنڈل سبھ انحد باجے ، سن جر (کی) گھنگھوری
۳- لوک سوتا ، سبھ عالم سوتا ، ہم جاگت چوری چوری
۴- من موہن تم آنگن آوو ، دور کرو تم دوری
۵- **غلام شاہ** کے صاحب سمریو ، نام نرنجن نوری

کافی روپ رامکلی ریختہ

شاہ قلندر پیر ، پیر قلندر ، موری لاج راکھو
۱- تم ہیں جہاز سمونڈ کو ساجو ، تم ہیں ہارو سانگو[1]
۲- **غلام شاہ** کو سرن تماری ، تار[2] کرو تم تانگھو[3]

جوبھن جہان فانی مکان ، جگت نہ آوے کسی کام
۱- چل گئے سکندر ، چل گئے دارا ، چل گئے خان جوان
۲- نیناں نیند گنوا کے جاگو ، جاگو موری جان
۳- سرمنڈل تن تار بجاوو ، ذکر کرو یزدان
۴- دوس کے دوارے دھن لگاوو ، تر وچ کھلی ریحان
۵- **غلام شاہ** سر پاویں دھر لے ، تھیو قدم قدم قربان

۱- سانگو = آسرا ۔ ۲- تار = عمیق ، گہرا ۔
۳- تانگھو = اتھلا پانی ۔

ریختہ رامکلی

صاحب سمرو تا سہج سماوو ، حرص بھلاوو دن رات

۱۔ علم کتاباں کام نہ آون ، پڑھ کا بِرہ کی بات

۲۔ فاذکرونی اذکرکم ، تنند بجا کر تات

۳۔ **غلام شاہ** رکھ شوق مدامی ، پورا رہ بربھات

ریختہ روپ رامکلی

میرے دل رہیو صاحب تیرو نام

۱۔ مطرب ساقی سہج خماری ، رہیو محو مُدام

۲۔ **غلام شاہ** نوں شاہ قلندر دیو بھر بھر جام

ریختہ کافی روپ بھیرو

من مورے موں محبت لاگی ، ساز سبحانی باجت تار

۱۔ راز ربانی روح باجت ہے ، انحد جوت کا پار

۲۔ 'ھو' 'ھو' کرتا گوش آوازاں ، سرمنڈل اسرار

۳۔ **غلام شاہ** کا بےخود ہویا ، قلب رہیو کلتار

ریختہ روپ بھیرو

جاگ جاگ نیناں نیند نہ کیجے ، من مایا مستانہ

۱۔ عرش الٰہی قلب تمارا ، ہویا تخت ربانا

۲۔ تار طلب کی تن موں لاوو ، انحد کر استانا

۳۔ نیچے نیچے لرت جو راکھو ، سُرت کرو اسمانا

۴۔ **غلام شاہ** کا عشق عجائب ، راکھو دل دھیانا

ریختہ روپ کوھیاری

ویس فقیری ناہیں کوئی ، خیال فقیری کیجیے یار

۱- سرمنڈل تن تار بجاوو ، انحد راگ سوں ریجھیے یار

۲- **غلام شاہ** کا ہو کے رہیے ، صاحب نام جپیجے یار

کافی ریختہ روپ دے گندھار

مورے من کا آدھار ، پاک پرورگار ، توہیں ستار

۱- آپ رب عرب ہے آیـا ، نـور نبی کا بیت بنـایـا
بیچوں اپن اپار ، رب غفار

۲- ذکر صاحب کا روح کی راحت ، نام نورانی عجب نعمت
کاٹے کفر اندھار ، درد آزار

۳- تن من لاگی تار طلب کی ، قلندر کھولی کل قلب کی
لگ رہی پریم پکار، دیوت کپار

۴- **غلام شاہ** کو سرن تماری ، روز شباں موں کرتا زاری
کرم کیجے کلتار ، سریجن ہار

رکھیئے یار یگانگی ، ایک سوں ایک ہو رہیئے

۱- حرف حقانی پریم کا پڑھیے ، دل درد دھیان جو دھریئے
کرلے دور دوگانگی

۲- تار طلب سوں گوش رلیجئے ، گگن منڈل کا ساز سنیجئے
بھنیئے[1] بھول بیگانگی

۱- بھنیئے = توڑ لے -

۳- **غلام شاہ** نوں شاہ قلندر ، راہ بتائی مہر نظر کر
رکھیئے من مستانگی

ریختہ چوتال روپ سارنگ

چوٹی کے اوپر چنگ بجت ہے چوٹ آپنگ سچنگ بجت ہے

۱- الحد عرفان بے حد باجے محبت دیتے صاحب سانچے
ساز فرنگ سارنگ بجت ہے

۲- گنگا گرجت برہ لگاوت بوند بہار کو بدر بساوت
من مرلی مردھنگ بجت ہے

۳- **غلام شاہ** کوں ملیو قلندر پریم پیالو پیو جو پر کر
بردے موں 'ھو' ہونگ بجت ہے

کافی روپ کھنبات ریختہ

چل جاتی تیری عمر حیاتی ، سمجھ سمجھ کجھ کر لے

۱- دن بھی گذرا ، رین بھی گذری ، دکھ بھی گذرا ، چین بھی گذری
گذر گئی پربھاتی

۲- **غلام شاہ** تن تار بجاوو ، بے خود ہو کے حق نوں[1] پاوو
صفت ساوو ذاتی

ریختہ روپ بروہ

موری جان موں کوئی جان ہے ، جانان جملہ جہان ہے

۱- موری سیس موں کوئی سیس ہے ، اس سیس سر سامان ہے

۱- حق نوں = حق کو -

۲- موری روح موں کوئی روح ہے ، اس روح موں رحمان ہے
۳- موری بات موں کوئی بات ہے ، اس بات بے پایاں ہے
۴- موری درد موں کوئی درد ہے ، اس درد موں درمان ہے
۵- کوئی **غلام شاہ** کو شوق ہے ، اس شوق موں سبحان ہے

خلیفہ نبی بخش لغاری قاسم

(١١٩٠ھ — ١٢٨٠ھ)

نبی بخش بن بالاچ خان لغاری کی ولادت اپنے آبائی گاؤں 'مٹھی' (موجودہ تحصیل ٹنڈہ باگو ، ضلع حیدرآباد) میں سنہ ١١٩٠ھ/١٧٧٦ع میں ہوئی - اُس زمانے کے رواج کے مطابق اُنھوں نے فارسی کی تعلیم حاصل کی - پچیس سال کی عمر (سنہ ١٢١٥ھ) میں مرضِ عشق میں مبتلا ہوگئے - اپنی محبوبہ سے شادی کر لی ، لیکن وہ تھوڑے ہی عرصے میں دنیا سے کوچ کر گئی اور نبی بخش کی دنیا تاریک ہوگئی -

اُس دور میں برگزیدہ اور باشرع عالم ، اہلِ دل ولی اور سندھ میں قادری سلسلے کے علم بردار حضرت پیر صاحب محمد راشد عرف 'روضے دھنی' (جدِ امجد سجادہ نشینانِ پیر صاحب پاگارہ) کا فیض عام تھا - چالیس سال کی عمر (سنہ ١٢٣٠ھ) میں نبی بخش اپنے دوست اور خالہ زاد بھائی قاسم کے ساتھ اُن کے حضور میں پہنچے - حضرت پیر صاحب سے نبی بخش کو روحانی فیض اور اطمینان حاصل ہوا - خرقۂ خلافت ملا اور وہ تزکیۂ نفس کے لیے عبادت اور ریاضت میں مشغول ہوگئے - بعد میں اُنھوں نے سندھ ، کاٹھیاواڑ اور گجرات میں سفر کر کے قادری سلسلے کی تبلیغ کی - اس روحانی مشغلے نے

عقیدت مندوں کا ایک بڑا حلقہ پیدا کر لیا ۔

سنہ ۱۲۵۹ھ میں سندھ پر انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوا اور سندھ کے حالات ناگفتہ بہ ہو گئے ۔ اس کا اثر خلیفہ صاحب پر بھی پڑا اور وہ ٹنڈہ باگو سے چھ میل دور مغرب کی طرف ایک گاؤں میں جا کر سکونت پذیر ہوگئے اور اس گاؤں کا نام بھی اپنے آبائی گاؤں پر ''خلیفن جی مٹھی'' رکھا جو آج بھی موجود ہے ۔ خلیفہ صاحب نے وہیں سنہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ع میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے ۔

خلیفہ نبی بخش سندھی اور سرائیکی زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے ۔ ان کے خالہ زاد بھائی قاسم نے انھیں حضرت پیر صاحب کی طرف متوجہ کیا تھا ، ان کے اس احسان کے سبب اُنھوں نے 'قاسم' تخلص اختیار کیا ۔ ۱۲۵۴ھ میں ''داستان سسئی پنھوں'' کو مثنوی کی شکل میں منظوم کیا ، جو سرائیکی زبان میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔ سندھی میں حضرت شاہ عبداللطیف کی تقلید میں ''رسالو'' منظوم کیا جس کو بعض خصوصیات کی بنا پر ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے ۔ سندھی اور سرائیکی کے علاوہ خلیفہ صاحب کا اُردو کلام بھی مختلف اصنافِ سخن پر مشتمل ہے جو ان کے ''رسالو''[۱] کے قلمی نسخوں کے آخر میں مندرجہ ذیل عنوان سے درج ہے :

''این جز در زبانِ هندوستان در سلوک و مناجات و غزلیات [و وائیهای] و ریختہ [و راگهای] و ٹپہ و راسوڑہ و سہرا و بھجن و هوری ۔''

۱۔ خلیفہ صاحب کے ''رسالو'' کو بندۂ راقم نے ایڈٹ کیا ہے اور وہ سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے (۱۹۶۶ع) شائع ہو چکا ہے ۔ اُردو کلام بھی اس ایڈیشن میں (صفحات ۲۴۲ — ۲۶۴) شامل ہے ۔

یہاں پر ہم خلیفہ صاحب کی اس ''جز در زبان ہندوستان'' سے انتخاب دے رہے ہیں :

نکتہ ہای در سلوک و توحید

ایسا شاہ بیرنگ در باغ رنگ
لگی رنگ کی رنگ میں خوب جنگ

لگا عشق کا تب سے ڈنکا تمام
کیا ترک جنّت کوں آدم امام

نہ کہتے ہیں آدم کا مادر پدر
کدھر کا چلا ہے پھر آیا کدھر

تو یٰس میں دیکھ 'کن فیکون'
کہ پیدا ہوا پل میں گونا و گون

میں ماں باپ سیں بھی تو آگے ہوا
نہ دیکھا آسی دیس جیتا موا

کہاں سوں میں آیا کہا جاؤں گا
کسی بات سوں ڈر کے پچھتاؤں گا

نہ مشرک ، نہ مومن ، نہ ایمان پر
نہ قاتل یزیدی ، حسینی ، نہ حر

نہ بامھن ، نہ جوشی ، نہ زنّارپوش
نہ مُلاّ ، نہ قاضی ، نہ نرگی بےنوش

نہ ذاکر ، نہ شاکر ، نہ غافل غرور
نہ جنّ و پری زاد ، ملکی نہ حور

نہ خالق خدا ، نہ خدا سے جدا
یہودی ، نصاریٰ نہ قومِ لدا

نہ میں رافضی ہوں ، نہ سنّی صحی
نہ پڑھتا ہوں پوتھی ، نہ صرف و نحی

ثوابوں سے اُلفت ، نہ طالب خطا
مری ذات مجھ کوں کو دیوے بتا

نہ میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں
نہ لوہا ، نہ پیتل ، نہ میں سون ہوں

نہ ہاشم ، نہ قاسم ، محمد ملوک
نہ جھگڑا کسی سے ، نہ کرتا سلوک

اسی دیس میں چل کے آیا جبھی
مذاہب طریقے میں دیکھے تبھی

کیا موج رنگین آبِ حباب
حباب ہی ملیا آب سیں آب آب

دکھاتیاں ہیں موجاں طرح طور طور
سبھوں میں ہے پانی نہیں اور اور

وہ بھیدی پچھانے اسی بھید کوں
پچھانے گا جو شاہ ناپید کوں

بحر میں پڑی بوند ہوگئی بحر
بحر ہے ، بحر ہے ، بحر ہے بحر

بحر سے نکالے بھلا کون بوند
بحر سیں ملی بوند ہوگئی سموند

بحر میں یہی بوند موتی امول
وہی پھول پھل ہے وہی جھاڑ پھول

نظر بیچ آئے عجب ایک کھیل
نہ ہے کھیت بویا ، نہ ساتھی نہ بیل

کہ آگے بھی تھا ان ، پیچھے بھی ان
ملیا خاک سیں ایک ساتھی کا تن

رہیا پہنچ اپنی اصل سے اصل
نہ آیا ہماری نظر میں نقل

غزلیات

مجھ تشنگی کی آگ بجھانے کوں نہ آیا
پھر جامِ وصل جانی پلانے کوں نہ آیا

تجھ عشق کی آتش میں سدا جلتا رہا میں
ٹک نین بھی نینوں سے ملانے کوں نہ آیا

ہم عاجز و مسکین کوں کب ہاتھ سے اپنے
یک بار سجن پان کھلانے کوں نہ آیا

صد سوال کیے **قاسم** ہنس بول توں ہم سے
ٹک بیکھ گدائی کا دلانے کوں نہ آیا

گلشن کی خبر خوب صبا باد سے پوچھو
تصویر قدِ سرو کی شمشاد سے پوچھو

بیدرد کو معشوق سے کیا کام ہے یارو
شیریں کی حقیقت بھلا فرہاد سے پوچھو

آتے ہو نہ جاتے ہو ، ستاتے ہو بھلا کیوں
تقصیر مری کیا ہے ، پریزاد سے پوچھو

نکلا ہے ستمگر وہ لے کر تیغ ادا کی
مجھ خون کی خبر خنجرِ فولاد سے پوچھو

غم درد کی تصویر **قاسم** کن کوں بتاؤں
آواز مری آہ کا تم ناد سے پوچھو

وائی سُر بلاول

بولنے والا وہ یار ، میں کیا جانا کون ہے
۱- مجنوں بن کے واں سے آیا ، لیلیٰ سیتی نیہ لگایا
روز روتا زار و زار
۲- حسن کی چڑھ فوج آئی ، نین سے کرتی لڑائی
لوٹ لیتا شہسوار
۳- سمجھ **قاسم** ہو سبحان ، بھید جانی کوں پہچان
میں کہوں تجھ بار بار

ریختہ تلنگ

جا ہونی سا ہو رہی ، سن بات یہی میں سو رہی
انہونے کے ہونے خاطر کتنے عالم رو رہی
جو ہونا ہے سو ہو رہا ، جو کھونا سو کھو رہی
ایک بھول تب پہچانی ، آنکھ دیکھ جب دو رہی
لاکھ سواردوڑاتے گھوڑے ، واں کےواں سا گورہی
قاسم بن ٹھن عشق بقالن باغ بقا کا بو رہی

ریختہ پاؤڑی

رہتی شب و روز پریزاد میرے دام سیں دور
لاؤں میں کس طرح اپنے پیا آغوش میں حور
کوئی بتلاوے مجھے تو نہ جاؤں میں کامرو دیس
کروں فرمان میں اپنے بلا حور ضرور

ریختہ

سکھی ری میں کسے سنگ بھیجوں گی سندیسوا
پریم رہے تم اب تو بدیسوا
آؤں کہہ گئے ابھوں نہ آئے، ڈھونڈ رہی میں پورب دیسوا
اٹھ چل **قاسم** پیا کوں لاؤں، کر کے جوگن بیسوا

ریختہ

پیٹھ نہ دے جا، ہو جانے والے لالا
ذرا تو کھڑے رہو، ہو جانے والے لالا
سامنے کھڑے رہو بین بجانے والے، میں سنتی ہوں ہو گانے والے
چھپ چھپ کے کھاتے ہو پانوں کی بیڑیاں
قاسم کوں دے جاؤ، کھانے والے لا لا

ریختہ

بچھڑن کی نہ کہو بات پیا یہ بات بری ہے
ہجرت کے مرے تن میں تیری تیز چھری ہے
ایک لٹک سیّں لونٹ گیا شوق سیں اسرار
اس ناز پُر کے نیچے، بس تیز تری ہے
پری رو کا ملن جگ میں مشکل ہنوز ہے
رو بارہ میں پایا نہیں سب خشک تری ہے
قاسم لٹک کے چمن میں کرے سیر سریجن
شرمندہ اس کے آگے سو آج پری ہے

ملاری کانڑا

دیکھو لا چکتر بین لالچ میری بلاج سہت ہے
مانگ کی دھنکیاں ، دامنی کرت تان
آؤ ری سکھیوا ، گگن میں گھمت ہے
۲- چنچلا کی چوری چال ، ہونٹ لال سے بھی لال
ادھرا کے بھنم لال ، لال ایسی بست ہے

ملاری کانڑا

میں تو پائی پیا کے دُھن دُھن نیو نیہ
میٹھے میٹھے بچن تم کو کہنے آئی
چلو تو پہچاؤں تم کو، او نہ آوت ، نیونیہ

ملاری کانڑا

کر پکری موری ، جرا جوری ، ماکر سینی
کر پکری موری، چڑیافوری ، انگیا کی لر توری ، ماکر سینی

جنجولتی

میرا کب جاء سے لبھانا ہے ، کانو کب جاء سے لبھانا ہے
سکھی آج نہ آیا میں جانا ہے ، میں سنیا یار لبھانا ہے
سوکن کے داؤ سے ، مستانہ دیوانہ ہے

دادرہ

بلمّا بنیاں موڑنا ، اچھنکھیاں باتاں کر لو
موسٹی جگت ، پیروا ، برزوری کر کے نند کو نوروا
کر کے چوڑیاں پھوڑنا

دادرہ

سونے دیاں چوڑیاں ، مارو جی گھڑادے
مینا دیاں چوڑیاں ، موتیڑا جڑا دے
سن میاں **قاسم** اپنے پیا سنگ
آنکھ سے انکھڑی لڑا دے

ٹپّا

(۱)

چلتی ٹھمک ٹھم ، چلتی ٹھمک ٹھم
گوری گیند گات
ادھرنا کی بھنبھال ، کنچنا کی بکھن لال
چین میں گجر پھرے پیا سنگ دم دم
مرگھوں سے تیکھے نین ، کوئلیا سے میٹھے بین
باجت پائل جھم جھم
آٹھ دیکھ **قاسم** ، دھوم مچی دھم دھم
ناچت گوری طبلوا کے بم بم

(۲)

رمتے رمتے جوگی جمنا جائیے ، کاہے کوں کرت تم بسرام
من کی لے مالا ، تن کی تپت بجھانے کوں جپ رام رام کا نام

راسوڑہ

ارے اڑ کاگا کبھی آویں گے
خبر لے آ میرے جانی کی

۱۔ آون کہہ گیو نہیں آیو رے ، میرے لالن کنے برمایو رے
میرے یہ دکھ کٹ جاویں گے
۲۔ کاگوا کہے میں اڑ جاؤں ، تیرے پاس پیا کو لے آؤں
تجھے ہنس ہنس گرہو لگاویں گے
۳۔ تیرو لالن آیو ری گوری ، تم کھیلو پیا سنگ اب ہوری
تیرے تن کی آگ بجھاویں گے
۴۔ **قاسم** جن کی ہوں میں داسی ، میرے من کے انپریہ آسی
مجھے کلمے سے پاس بلاویں گے

سہرا

(۱)

اللہ کے نام پر میں بل جاؤں
کبریٰ کے گھر احمد آیا ، سید کے سہرے گاؤں
پنجتن پاک ، دوازدہ امام ، محمدؐ کا درسن پاؤں

(۲)

آج دھن دھن رے آج دھن دھن
میرے ہی مندروا آویں گے نوشا نما
۱۔ شبھ دن شبھ گھڑی ، پر گھٹیو محمدؐ
چین سیں بھری سب دھرتی گھن گھن
۲۔ عبداللہ کے گھر آنند بدھائی
ناچت پری حور پایل کی جھن جھن
۳۔ گُند لے ری مالن ، پھولوں کا سہرا
نیہ کی مچی دھوم ، **قاسم** بن بن

بھجن

(۱)

مت بسارو رے ہو ، من من ہری کی بات
بھائی بہن کُٹم قبیلا ، کوئی نہ چلے گا ساتھ
رام نام کی سمرن جپنے یہ ہی چلے گا سنگات
گنگا جمنا کاہے کوں جانا ، گھٹ میں بسنے تیرے ناتھ
صاحب کی بندگی کر لے **قاسم** ، آنسوں بھری دن رات

(۲)

رام کے سادھو رام جپو رے ، اور سوں کیا تیرا کام
سب جگ چلنا تم بھی چلو گے ، کون کرت بسرام
گنگا **قاسم** کاہے کوں جانا ، رام بسے بس تیرے گام

ہوری

پھاگن کے دن چار سکھی ری
میں اپنا لال منگا نہ دوں گی
۱۔ سونا بھی دوں گا ، واری روپا بھی دوں گی
کنٹھ نہ دوں گی ادھار سکھی ری
۲۔ ہیرا بھی دوں گی ، واری موتی بھی دوں گی
دوں گی پھولوں کا ہار سکھی ری

☆ ☆ ☆

۲۷

میر شہداد خاں حیدری

(وفات ۱۲۸۴ھ)

'سرکارِ بلند اقتدار' میر شہداد خاں بن میر نور محمد خاں، حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کی تربیت ہوئی - اپنے والد میر نور محمد خاں کی وفات کے بعد حکومت میں شریک ہوئے اور 'سرکارِ بلند اقتدار' کے لقب سے سرفراز ہوئے - اپنے بزرگوں کی طرح انھیں بھی کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا - انھوں نے متعدد کتابیں نقل کروائیں اور خریدیں -

میر شہداد خاں صاحبِ ذوقِ سلیم تھے - فارسی، سندھی اور اردو میں شعر کہے - 'حیدری' تخلص کرتے تھے - ''دیوانِ حیدری'' تقریباً چار سو اٹھتر غزلیات اور دوسری نظموں پر مشتمل ہے -

پہلے میر شہداد خاں دوسرے امیروں سے جدا سورت کے قید خانے میں محبوس رہے - پھر وہاں سے کلکتہ منتقل کر دیے گئے - وہیں ۸ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۴ھ / ۲۸ اگست ۱۸۵۷ع کو قید کی حالت میں ان کا انتقال ہوا - مرزا حسن علی عرف آقا بزرگ المتخلص بہ 'وفا' نے ان کی وفات پر یہ قطعہ لکھا :

از **وفا** تاریخِ سالِ رحلتش جستم بگفت
نامِ او تاریخ بس "نواب میر شہداد خاں"

۱۲۸۴ھ

ان کی ایک غزل ملاحظہ ہو :

گوندھ تو زلفِ پریشاں کو ، پریشاں مت ہو
دیکھ کر مجھ کو پراگندہ ، تو حیراں مت ہو

بوئے مشکِ ختن عشق کا عادی دل ہے
اے شہِ حسن پسِ پردہ تو پنہاں مت ہو

حیدری ہوگا تو آزاد نہ گھبرا ہرگز
نا امید از کرمِ شاہِ شہیداں مت ہو

☆ ☆ ☆

قادر بخش بیدل

(۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ع — ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ع)

قادر بخش وادیِ مہران کے اولیاء اور علماء کے مسکن روہڑی میں سنہ ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ع میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد حسن کپڑا بنتے تھے، اس وجہ سے ان کو ''پاؤلی'' کہا جاتا تھا۔ محمد حسن جھوک شریف کے بزرگ شاہ عنایت اللہ صوفی شہید کے مرید اور قادری سلسلے کے پیرو تھے۔

اپنے لیے قادر بخش اور عبدالقادر دونوں نام اور 'بیدل' تخلص استعمال کرتے تھے۔ عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔ پھر روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے سیوہن شہر میں حضرت قلندر شہباز کے مقبرے پر گئے۔ وہاں سے 'پیر جو گوٹھ' (ضلع خیرپور) میں آئے، جہاں پیر صاحب پاگارہ حضرت صبغت اللہ شاہ نے اپنے صاحبزادے پیر علی گوہر شاہ کے لیے ان کو اتالیق مقرر کیا۔ بیدل، پیر صاحب کو مولانا رومی کی مثنوی کا درس دیتے تھے۔ اس کے بعد 'پریاں لوء' (ضلع خیرپور) میں گئے، جہاں پر مخدوم محمد اسمٰعیل کی درگاہ پر کچھ وقت قیام کیا۔ پھر واپس روہڑی آئے جہاں کچھ کپڑے اور دوسری چیزوں کی ایک دوکان کھول کر بیٹھ گئے۔ وہیں سنہ ۱۲۸۹ھ/

۱۸۷۲ع میں وفات پائی - ان کا مزار روہڑی اسٹیشن کے قریب مرجعِ عوام ہے -

بیدل ایک بلند پایہ عالم ، صوفی ، شاعر اور مصنّف تھے - ان کی تصانیف میں رموز العارفین (فارسی نظم) ، تقویت القلوب (نثر) ، پنج گنج ، ریاض القمر ، سلوک الطالبین ، رموز قادری ، منہاج الحقیقت ، نہرالبحر ، الفوائد المعنوی ، مصباح الطریقت ، قرۃ العینین فی مناقب السبطین ، فی بطن الاحادیث ، لغات میزان الطب ، وحدت نامہ اور سرور نامہ قابل ذکر ہیں -

فقیر قادر بخش 'بیدل' نے اپنے اشعار میں حضرت قلندر شہباز اور حافظ عبدالوہاب عرف سچے ڈنہ (سچل) سے عقیدت کا اظہار کیا ہے - قلندر شہباز کی مدح میں کہتے ہیں :

دلا مت ڈر ز ہولِ روزِ محشر
پکڑ لے دامنِ ابنِ پیمبر
شہِ شاہانِ عرفاں دینِ پرور
قطب[1] ارشاد عشاقاں کا رہبر
مرا مرشد مکمل ہے قلندر
حسینی ، حیدری ، سلطان ، سرور

بیدل نے عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی اور اردو میں شاعری کی - وہ ایک صاف دل صوفی تھے - ان کا کلام عارفانہ نکات کا حامل ہے - اردو میں وہ صاحبِ دیوان تھے - ان کی چند غزلیں بطورِ نمونہ

۱- لفظ 'قطب' سندھی لب و لہجہ میں استعمال ہوا ہے -

ملاحظہ ہوں :

دلِ وحدت طلب فارغ ز قیدِ جسم و جاں ہوگا
کہ بیٹھک عاشقاں دائم بملکِ لامکاں ہوگا

اٹھا اس فرشِ خاکی سے قدم ، چڑھ جا فلک اوپر
کہ سات آکاش ہمت کے آگے اک نردباں ہوگا

طلب مطلوب طالب کو احد کر جان وحدت میں
کہ بحرِ ذات بیرنگی محیطِ بیکراں ہوگا

وہی اوّل ، وہی آخر ، وہی ظاہر ، وہی باطن
خودی کے ترک میں مخفی جو ہے وہ سب عیاں ہوگا

دوئی کے وہم سے **بیدل** ترا دل گر ہوا فارغ
ظہور اس ذاتِ مطلق کا جہاں چاہیں وہاں ہوگا

جب سوں زاہد نے سنی اس رخِ پرنور کی بات
بھل گئی اس سے کرے شوق سوں تب حور کی بات

محفلِ بخت میں ممتاز ہیں اربابِ علوم
محکمۂ عشق میں منظور ہے منصور کی بات

مجلسِ وجد میں کیا کام ہے خودبینوں کا
بزمِ رنداں میں نہیں زاہدِ مستور کی بات

عقل اپنی سے ہو کیا سرِّ ہویّت کی سمجھ
جو اسے کب نہ سنیں گے ایسے دستور کی بات

”و ھو معکم“ مجھے دیتا ہے تسلی **بیدل**
”نحن اقرب“ سے فراموش ہوئی دور کی بات

ہمیں اسرار وحدت کا نفی اثبات میں دیکھا
سراسر نور بیرنگی ظہورِ ذات میں دیکھا

نفی جب تک نہ ہو، ہرگز نہ پاوے ذوق اثباتی
اسی شطرنج کا ہم جیتنا اب مات میں دیکھا

کوئی جو ہو رہا عاشق الکھ بیچوں منزّہ پر
اروپ اور روپ کا اس نے لقا لمعات میں دیکھا

نہ ہو اے بوالہوس راغب پیالی کا بہ پنداری
کہ جام و تیغ ہم واللہ سجن کے ہاتھ میں دیکھا

کسی منصور سے پوچھا سبب انشائے معنٰی کا
کہا میں مطلب والا ابھی اسات میں دیکھا

یہ **بیدل** سن 'و فی انفسکم' اس معشوق ہمدم سے
کہ ہم مصباحِ احدیت اسے **مشکاۃ** میں دیکھا

دو جگ کا بادشاہ ہے مستِ شرابِ عشق
عالی ہے ہر جناب سے لاشک جنابِ عشق

شپّر صفت نہ رہ تو ہوس کے حجاب میں
باہر نکل کے دیکھ رخِ آفتابِ عشق

دوزخ کی آگ کب جلادی اسی کے تئیں
یہ جسمِ سوختہ کا ہوا کل کبابِ عشق

زہاد پر نہیں سرِ وحدت کا منکشف
گر فتح باب چاہیں تو مت چھوڑ بابِ عشق

طنبور چرخ کا نہ بنایا حکیم قدر
جب سوں ہے بزم راز میں غلغل ربابِ عشق

تابع ہیں عاشقاں کے چہ ابر و چہ آفتاب
دوزخ بہشت جانتا ہے آب و تابِ عشق
جوئی کہ پوچھتا ہے عشق کون چیز ہے
کہہ بیدل اس کے تئیں کہ ابھی سن جوابِ عشق

حیران ہوں کہ قد کو تمھارے میں کیا کہوں
طوبٰی کہوں کہ سرو کہ نخلِ وفا کہوں
تیرے 'حسن'[1] کی دیکھ تجلّی اے رشکِ حور
سورج کہوں کہ چاند کہ نورِ خدا کہوں
ابرو تمھارے کو جو ہے شکلِ ہلالِ عید
محرابِ سجدہ طاعتِ اہلِ صفا کہوں
ترے نین پُرخمار کو سرمستِ بادہ ناز
یا بے خودی کا جام یا سحرِ بلا کہوں
مژگاں ترے کو جو کہ ہیں چنگل عقاب کے
ناوک کہوں کہ نوکِ سنانِ جفا کہوں
خالِ سیہ ترے کو، جو ہے عکسِ داغِ دال
اسود حجر کہ دانہٴ مرغِ ہوا کہوں
لب لعل تیرے سے دُرِ دنداں چمکتے ہیں
میں اس شفق کے رنگ کو پرویں نما کہوں

۱- 'حسن' کا استعمال سندھی لب و لہجہ کے مطابق ہے۔

تیری گلی کی خاک کو **بیدل** کے واسطے
یا غالیہ عبیر کہوں ، توتیا کہوں

کافی

وہ بیرنگی رنگ آپ آدم بن آیا
روپ کا اوڑھ نقاب ، احد و عبد سڈایا

۱- وہ اروپ سروپ سوں آیا
عشق و حسن کا کھیل کھلایا
دونوں وہ القاب ، ساجن سر دھرایا

۲- کہاں وہ پہنے پوش عرب کا
ہووے ساقی جام طرب کا
کہاں وہ دست رباب ، گیت اناالحق گایا

۳- کہاں فقیہ ، مشائخ ، قاضی
مُلاّ ، مومن ، نیک ، نمازی
کہاں وہ دوست خراب ، بسمی رنگ لگایا

۴- خلق الاشیا سمجھ اشارت
فھو عینھا محض بشارت
بیدل شوق شتاب ، سر صحیح سمجھایا

کافی روپ ہوری

آج پیا ہوری کھیلن آیا
سہسیں رنگی بے رنگ سہایا
سہسیں روپ اروپ سہاوت وحدت کثرت رمز رلاوت
نوع بہ نوع جانی جلوہ پایا
بندرابن میں کھیلے ہوری شام سندر دل لٹ لی روری
چشم آہیندے سانوں چیٹک لایا[1]

☆ ☆ ☆

۱۔ یعنی چشم اُس کے ہمیں جادو لایا۔ باقی مصرعے سرائیکی زبان میں ہیں۔

۲۹

صوفی ابراہیم شاہ فقیر

(۱۲۴۲ھ — ۱۲۹۱ھ)

صوفی ابراہیم شاہ فقیر قریۂ جھوک عرف میراں پور (موجودہ تحصیل میرپور بٹھورہ ، ضلع ٹھٹہ) میں ۲۷ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ع) کو پیدا ہوئے - وہ جھوک کے مشہور صوفی بزرگ شاہ عنایت اللہ شہید (۱۱۳۰ھ) کی اولاد میں سے تھے اور درگاہ جھوک کے سجادہ نشین ہوئے - وہ ۸ ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۵ع) کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے -

'کافی' گو شاعروں میں ابراہیم شاہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا - تخلص 'فقیر' اور 'صوفی' کرتے تھے - آردو میں بھی انھوں نے کافیاں کہیں - ان کا اکثر کلام ضائع ہو چکا ہے - مدت ہوئی کہ ایک بیاض میں ان کی ایک 'کافی' نظر سے گذری تھی جس کا مطلع یہ تھا :

دیکھو یار کا دیدار جو جنسار بنا ہے
دستور کنوں[1] نور جو اسرار بنا ہے

۱- دستور کنوں = بدستور -

ان کی دو کافیاں ملاحظہ ہوں :

کافی ۱

جدائی میں جیّن[1] مشکل ، سجن بِن[2] حال حیراں ہے

۱- جسی دن موں سجن بچھڑا ، مری دل تب رہی جل جل
وداع کی آگ بجلی جیوں ، ابر چشماں چوں[3] باراں ہے

۲- لگا ہے عشق موں دل سوں ، نہیں سونا صحی اک پل
غذا ہے طعام خوں خوردن ، بساطی سیج خاراں ہے

۳- بڑے ترے عشق کے امراض ، جن کا ہوا نہیں درمل
شفائے دردِ سودایاں بدستِ غم گساراں ہے

۴- چڑھیاں ترے چشم کیاں فوجاں ، آیاں سر پر **فقیرا** چل
کیا بند قیدِ زلفاں سوں ، ایہو[4] نس دن پکاراں ہے

کافی ۲

حسن کی فوج لوٹیے ہوں ، کہاں جاواں میں فریادی
ہجر کی تیغ کوٹھے ہوں[5] ، دیکھو سجناں کی بیداری

۱- گدا ہوں وہ پیا در کے ، خزاں ساماں سکندر کے
بجز دیدار دلبر کے ، عمر جاندی[6] ہے افرادی[7]

۱- جین = جینا ۔
۲- بن = بغیر ۔
۳- چوں = میں سے ۔
۴- ایہو = وہ ۔
۵- کوٹھے ہوں = کاٹا ہے ۔
۶- جاندی ہے = جاتی ہے ۔
۷- افرادی = ضایع ۔

۲۔ پیالہ مئے الستی کا ، دیا پُر یار مستی کا
مٹیا کل وہم ہستی کا ، کیا از قید آزادی

۳۔ صفا **صوفی** جو رہتے ہوں ، جگر کا خون کھاتے ہوں
سجن کے پاس جاتے ہوں ، نہ کر مجھ سوں توں بیدادی

۳۰

فتح دین شاہ جہانیاں پوٹہ

(۱۲۰۵ھ؟ — ۱۲۹۱ھ)

'اُچ' کے مشہور ولی مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے سندھ میں 'جہانیاں پوٹہ' خاندان مشہور ہوا۔ فتح الدین شاہ بن ویدھل شاہ اسی خاندان کے حیدرآبادی قبیلے کے جدِ امجد تھے۔ اُنھوں نے حیدرآباد میں سکونت اختیار کی اور موجودہ 'ٹنڈہ جہانیاں' کو آباد کیا۔ جھوک عرف میراں پور کے صوفی درویش فضل اللہ شاہ قلندر (وفات ۷ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ) سے فیض حاصل کیا اور ۲۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۹۱ھ کو وفات پائی۔

فتح الدین شاہ 'فتح' کا ۴۳ غزلوں پر مشتمل ایک مختصر فارسی دیوان موجود ہے، جس میں تخلص 'فتح' خواہ پورا نام 'فتح الدین' لائے ہیں۔ ان کا یہ کلام تصوّف کے عارفانہ نکات پر مشتمل ہے:

درمیانِ تابِ وحدت **فتح الدین** را یافتم
از نفی اثبات دیدم شعلۂ اسرار را

چشیدم مغز معنی جزو و کل را
بفتح الدین عیاں اسرار باشد

شدہ روشن دو عالم **فتح الدین** را
بہ تیغِ ہمّتِ مشکل کشائی

اُردو میں ان کی ایک 'کافی' ملتی ہے اور وہ یہ ہے :

ہوا مخمور معنٰی میں ، کہ ہادی حق بتایا ہے
ملامت کوں سلامت کر ، آپس آپے چھپایا ہے
۱- نہیں درکار عیسٰی کی ، مسیحا دم ہمارا ہے
اُلٹ پٹی 'الف'[1] کی جھاتی کہ جس میں کل سمایا ہے
۲- محمد شرف رندانی ، 'الست' اسرار آیا ہے
دونوں جگ میں برق بن کر ابر رحمت بسایا ہے
۳- ہوائے بے خودی آئے ، خودی کی دھول اُڑ جائے
صدف کر سینہ کو اپنا عجب گوہر چھپایا ہے
۴- جلالی جوش کے جذبے جسم کوں خود جلایا ہے
'**فتح**' ہے 'دین' کی ہردم کفر کوں مر مٹایا ہے

☆ ☆ ☆

۱- 'الف' (اللہ) کا پرتو اُلٹ پڑا ۔

۳۱

دیوان صورت سنگھ صورت ۔ بہار

(۱۲۶۸ھ — ۱۲۹۳ھ)

صورت سنگھ ولد ہمت سنگھ چندیر امانی سنہ ۱۲۷۸ھ/۱۸۵۲ع کے لگ بھگ حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ مکتب میں فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو اپنے بچپن کے ایک دوست دیوان بہار سنگھ کے اور اپنے نام کی رعایت سے 'صورت بہار' تخلص اختیار کیا ۔ فارسی میں ایک مثنوی لکھی جس پر والیِ خیر پور میر علی مراد خاں تالپور نے انعام بھیجا اور خیر پور آنے کی دعوت دی ۔

صورت سنگھ 'نانک پنتھی' اور صوفی منش تھے ۔ اپنے کلام میں گرو نانک ، شیخ طاہر عرف اڈیرہ لال ، حضرت مخدوم عثمان عرف شہباز قلندر ، شاہ عنایت اللہ شہید صوفی اور حضرت شاہ یقین (ضلع ٹھٹہ) سے عقیدت کا اظہار کیا ہے ۔

ان کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ان بزرگوں کی درگاہوں پر زیارت کے لیے جاتے تھے ۔ ان بزرگوں کے علاوہ بھائی کشن چند اور دوسرے ہندو سنتوں اور سادھوؤں کا ذکر بھی ان کے کلام میں بکثرت موجود ہے ۔ موسیقی سے بھی شغف تھا ۔ خود گاتے

تھے اور 'سرسارنگ' میں انھیں ملکہ حاصل تھا - ۵۲ سال کی عمر میں سنہ ۱۸۷۷ع میں ان کا انتقال ہوا - ان کی سمادھی حیدر آباد میں موجودہ 'ڈومن واہ' محلے کے ایک باغ میں تھی -

'صورت بہار' نے فارسی ، سندھی ، سرائیکی اور آردو میں اشعار کہے ہیں - سندھی کافیوں میں 'صورت' تخلص کرتے ہیں - انھوں نے اکثر اشعار ہندی اور آردو میں کہے ہیں - ان کے کلام کا مجموعہ پہلی بار سنہ ۱۸۸٦ع میں لاہور سے شائع ہوا اور دوسری مرتبہ "دیوانِ صورت بہار" کے نام سے سندھی رسم الخط میں ۱۹۳۵ع میں حیدرآباد سے چھپا - کلام سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی فارسی اور آردو غزلیں بالترتیب ایک مکمل دیوان کی صورت میں موجود تھیں - غالباً اس آخری اشاعت میں (جو کہ ہمارے سامنے ہے) کلام کی ترتیب خلط ملط ہو گئی ہے اور بعض ردیفوں پر غزلیں رہ گئی ہیں - فارسی کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :

این چہ دوری است کہ دانا ہمہ دیوانہ شدند
مست گشتند بہ دنیا ، ہمہ مستانہ شدند
از سبک مایہ خود چند گرانی دارند
گہرِ سوم کہ در گوشہ دردانہ شدند
کذب را راست کنند راست کنند باطل را
حالیا جامِ سبو کش کہ چہ مستانہ شدند
چہ بہار اند کزین غمزۂ لیلٰی دنیا
سربسر صورتِ مجنوں ہمہ دیوانہ شدند

''دیوانِ صورت بہار'' میں ہندی اور ہندی آمیز زبان خواہ صاف آردو زبان میں نظموں کی ایک کافی تعداد موجود ہے - البتہ بعد میں لکھنے اور نقل کرنے والوں کی زبان سے ناآشنائی کی وجہ

سے متن میں غلطیاں رہ گئی ہیں ۔ ان کے اردو کلام سے انتخاب دیا جاتا ہے :

صورت جیسا بدکار گنہگار نہ دیکھا[1]
خاوند جیسا غفّار ستار نہ دیکھا
موسٰی جیسا دیکھا نہ کسی جلوۂ سینا
منصور اناالحق جیسا سردار نہ دیکھا
شیطان جیسا دُزد خبردار نہ ہوگا
درویش قلندر جیسا بیدار نہ دیکھا

کبھی کس یار لیے یار نے در کو چھوڑا
دیکھو میرے لیے دلدار نے گھر کو چھوڑا
بے بہا دُر ہے بہادر مرا ہمراہ حبیب
جس نے جنگ دیکھتے ہی جلد کمر کو چھوڑا
پھل کی خاطر ہی محبت کے شجر کو پالا
جب ثمردار شجر تھا تو ثمر کو چھوڑا

تجھ کو انجام ترا یاد نہیں یاد آیا
کیسے اقرار میاں کرتے ہو برباد آیا
عشق لیلٰی نے میاں قیس کو مجنون کیا
عشق شیریں نے رلایا کہیں فرہاد آیا
تیرے خوش خندہ نے بندہ کیا اللہ جانے
تیرے وعدوں نے کیا ہے مرا دل شاد آیا

۱۔ ہر جگہ ''فَعَلُن'' کے وزن پر استعمال کیا ہے ۔

بہار میری کا سرسبز ہے نہال نہال
کہ یار میرے کا خوش حسن ہے کمال کمال
دو چشم روشن دلبر کے ہیں مہ و خورشید
دو نام خوش مرے دلدار کا جمال جمال
ہر ایک گل پہ ہر اک بلبل آج ہے شیدا
ہر ایک یار سیں ہے یار کا وصال وصال
کہا میں تیرا ہوں تو میرا تو نے ہنس کے کہا
کہا تو میرا ہے میں تیرا ہوں، محال محال

کیا دیوے گا 'شاہ دولھہ'[1] نام لو مولا کا تم
جس کو مولا دیوے گا اُس کو ہے کیا دولھہ کا غم
اس فنا خانہ میں کرنا فخر کیا نادان دیکھ
کاں[2] وہ آئینہ سکندر، کاں گیا وہ جامِ جم؟
خوش رہو شاکر بنی پر جو بنائی ہے سو خوب
شاد وہ آباد، حق کا نام لے ہر دم بدم

آپ سے شرمندہ ہوں میں منہ سے کچھ کہتا نہیں
کیا کہوں بے شرم ہوں، بولوں میں کیا، بکتا نہیں
آپ ساچے ہو، میں جھوٹا ہوں، نہیں کچھ جھوٹ ہے
ساچ کہتا ہوں، صفا ہوں، دل میں کچھ رکھتا نہیں

۱۔ 'شاہ دولھہ' یا 'دولھہ شاہ' سندھ کے ہندوؤں کا ایک سنت جسے ''دریا کے پیر'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔
۲۔ کاں = کہاں۔

ڈر سیں آتا نہیں میں یار ترے کوچے میں
دل گنواتا ہوں میں دلدار ترے کوچے میں
اپنی مستی میں ترے عشق کی خوشحالی میں
آکے گاتا ہوں میں غم خوار ترے کوچے میں
اپنے مرشد کا ، فقیروں کا ، خدا کا ، سب کا
دیکھ جاتا ہوں میں دیدار ترے کوچے میں
تیری صورت کو میں ہوں دیکھ کے مرسبز بہار
دیکھ کے خوش ہوں میں گلزار ترے کوچے میں

مناجات بدرگاہِ لعل شہباز قلندر

دم مست قلندر ، شہِ شہباز قلندر
ہم دست خداوند کا ہمراز قلندر
سلطان فقیروں کا ، حقیروں کا ہے صاحب
بخشندہ امیروں کا ، غریبوں کا ہے واہب
حاکم ہے امیروں کا ، یتیموں کا ہے واہب
مختار ملائک کا ہے ، مولٰی کا ہے نائب
دم مست قلندر ، شہِ شہباز قلندر

اس جدائی میں ترے شاید کہ مر جاؤں ہمیں
حال اپنے کی حقیقت کس سیں کر جاؤں ہمیں
آپ صاحب کام کے بے کام کی کیسی خبر
کام سیں تھا کام اب یا رب کدھر جاؤں ہمیں
جس جدا ہم کو کیا تس سوں خدا اس کا بھی خیر
زندگی دو دن ہے باقی کس سے لر جاؤں ہمیں

کچھ تو انصاف کرو ، میری وفا ہے کہ نہیں
آپ منصف ہو بھلا ، تیری جفا ہے کہ نہیں
اس فنائی کے مکاں میں تو جدا ہو نہ میاں
کیا ہے معلوم تجھے پھر بھی بقا ہے کہ نہیں
دل دیا ، جان دیا ، سر بھی دیا ، میں تجھ کو
میں تو تیرا ہوا اب تیری رضا ہے کہ نہیں
لوگ کہتے ہیں سبھی یار ہے **صورت** کا **بہار**
کیسا اخبار ہے یہ بات صفا ہے کہ نہیں

جس دل کو خدا یاد ، وہ اباد ہمیشہ
آباد ہمیشہ ہے دلِ شاد ہمیشہ

نام لو محبوب کا ، پھر کام بھی محبوب ہو
خوبرو خوش خوئی ہو، خوش نام ہو مرغوب ہو
خوب ہونے میں خوشی ، محبوب ہونے میں مزا
کیوں نہ ہو محبوب جس کے دل کا حق مطلوب ہو
مرنے کے آگے سیں مرنا کام درویشوں کا ہے
رندِ بے پروا کسی کے آگے کب مغلوب ہو
حسنِ **صورت** کا نظارا دیکھ ہوتا ہوں **بہار**
در حقیقت یہ تماشا خوب ہی مرغوب ہو

ناموافق یار ہووے نا موافق یار سیں
ناشگفتہ گل ہوا ہے ناشگفتہ خار سیں

زخم گل کی بات سن بلبل سیں میں دیکھا ولے
برگِ گل غربال ہوتا خار کے آزار سیں

دیکھ لو گلدستہ بستہ خوش ہوئے عطار پاس
خار کے آزار سیں گل آ گیا بازار سیں

دیکھ **صورت** گل کی مرجھائی کو ، مرجھایا **بہار**
کیسا پھولا تھا ،کہ لالی زخم تھی سرشار سیں

خزاں تو ٹل گئی ، دیکھ اب بہار آیا ہے
رقیب جل گیا ، اب دیکھ یار آیا ہے

ہر ایک گل نے کیا سجدہ پاے بوسی سیں
جو گلستاں میں مرا گل عذار آیا ہے

کلی کلی کھلی گلشن کی ، پھولی پھلواری
ہر ایک شاخ سیں نغمہ ہزار آیا ہے

جو رنگ رنگ کے بوٹے کھلے ہیں گلشن میں
تماشا گاہ کو رنگیں سنگار آیا ہے

میں تجھ سے کیا کہوں **صورت بہار** دیکھ کے آج
ہر ایک صورتِ دل کو قرار آیا ہے

زلف کے پیچوں میں جو دل[1] آ گئی سو آ گئی
دیکھ دانہ خال کا پھسلا گئی بھرما گئی

۱- سندھی کی طرح 'دل' کو مؤنث باندھا ہے -

کچھ دلاسا دیجیو دل کو خدا کے واسطے
دلبری کم دیکھ دل ارما گئی[1] شرما گئی

دل لگی تم سیں ہماری دل لگی ہے دل لگی
دو جہاں کو چھوڑ کے دل تجھ سیں آ بالکل لگی
ہوش تو مارا گیا ، بے ہوشی صاحب آ گئی
عقل کا خیمہ اُٹھا ، اب عشق کی منزل لگی
رات دن کوچے میں تیری آ کے پھر جاؤں بھلا
کیا خبر مجھ کو ہے تیری کس جگہ محفل لگی
صورت گلزار کی ہر خار و خس تجھ بن بہار
نالہ و فریاد سیں ہر شاخ پر بلبل[2] لگی

قربان مری جان تری جان پہ جانی
ایمان کی یہ بات مری مان گمانی
اے بت کہ میں یوسف ہوں تو میری ہے زلیخا
میں تیرا پرستار ہوں نادان ، دیوانی !

غزل بھیروی

دوست داری میں تو پہلے خاکساری خوب ہے
یار کی یاری میں آخر جاں نثاری خوب ہے

۱۔ ارما گئی = غمگین ہوئی ۔
۲۔ سندھی میں عوامی تلفظ 'بربل' ۔

کر غلامی یار کی ، اپنی بڑائی چھوڑ دے
دست بستہ عجز سیں کرنا ہی زاری خوب ہے
روبرو دلدار کے دم مارنا ہرگز نہیں
یار کے آگے ادب سیں شرمساری خوب ہے
عاشقی کرنا تو پھر آسائشی سے کیا غرض
عشق میں عاشق کو اوّل بے قراری خوب ہے
منتظر کو عاقبت دیدار ہووے یار کا
فکر کچھ کرنا نہیں ، یہ انتظاری خوب ہے

فنا خانہ ہے یہ دنیا ، نکل جانا سو واجب ہے
یہ غم خانہ ہے دنیا بس نہ غم کھانا سو واجب ہے
نکل آیا سو بچ آیا ، جو بیٹھایا سو بھر پایا
اسی مکارہ بازی سیں تو پھر آنا سو واجب ہے

اسی ساری خدائی میں ، مجھے اک یار کافی ہے
کہوں کیا بات میں اپنی ، مجھے دلدار کافی ہے
نہ چاہوں ہفت جنت کو ، ترے قدموں کو میں چاہوں
گلی تیری کا اے گل رو ، مجھے خس خار کافی ہے

ننگوں کو زمستاں میں آتش ہے جامہ پشمی
بھوکوں کو روکھا ٹکڑا خوش ہے بہ سیرچشمی
خشمی تو خندہ رو کو ، ہے خندہ رو نظرمیں
خشمی کو خندہ رو بھی آوے نظر میں خشمی

کیا کیا عقیق احمر ، کیا صاف سنگ مرمر
دل ہول کو گنواتا دل پاک سنگ یشمی
ناخوش نیاز سیں کیا ناخوش یہ دل بہت ہے
خوش ناز سیں کیا تھا ، خوش خوب خوش کرشمی
صورت بہار ہوگا ، یہ بات یاد رکھنا
ہرگز کبھی نہ کرنا ، جاہل سیں کشم کشمی

اے جان میری! تن میں تم ، تم تم نہ ہو اور کون ہے
نین میں تم ، مجھ من میں تم ، تم تم نہ ہو اور کون ہے
جاگن میں تم ، سوون میں تم ، بولن میں تم ، چولن میں تم
اوٹھن میں تم ، بیٹھن میں تم ، تم تم نہ ہو اور کون ہے
انسان میں حیوان میں تم ، جنات میں دیواں میں تم
ہر رنگ میں ہر فن میں تم ، تم تم نہ ہو اور کون ہے
تم گل میں تم بلبل میں تم ، تم سرو میں قمری میں تم
گل چمن میں گلشن میں تم ، تم تم نہ ہو اور کون ہے

راگ بھیرو

تم سیں لاگی پریت سانوریا
عجب بھانت کی پریت بنی ہے ، نئی دکھاوت ریت
سبھ ہم میں کچھ تم سیں ناہیں ہم ہاری تم جیت
اور کو میت ہوئے نہیں ہوئے تم ہمرو ہے میت
صورت شیام بہار کرو ، اب گاؤں تمرے گیت

راگ ٹھمری پیلو

میرا پیارا پیئا پردیس اب تو رہیو نہ جائے دیس
میں جاؤں گی اب نہ رہوں گی سوہ لگتا دیس ودیس[۱]
رنگ بھبھوت لگا کے جاؤں کر جوگن کا ویس[۲]

خیال سورٹھ

ساون کی رت آئی رے پیا بن موکو[۳] نیند نہ آوے
شام گھٹا گھن بجلی چمکے کوئی شام مجھے آن ملاوے

ٹھمری بھیروی

میری پت راکھو غریب نواز
تم بن اور کو نور نہیں
موکو تم ہو دیا کے جہاز

✡ ✡ ✡

۱- ودیس = بدیس، پردیس۔ ۲- ویس = بھیس۔
۳- موکو = مجھے۔

۳۲

میر حسین علی خاں تالپور حسین

(المتوفی ۱۲۹۵ھ)

میر حسین علی خاں بن میر نور محمد خاں حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ انگریزوں کے تسلط ہو جانے پر گرفتار کر لیے گئے اور کلکتہ میں نظربند رہے۔ سنہ ۱۸۵۹ع میں رہا ہوکر سندھ پہنچے۔ ۲۶ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۵ھ کو حیدرآباد میں وفات پائی اور 'میرن جا قبا' کے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

میر حسین علی خاں 'حسین' کو نہ صرف فارسی ادب سے لگاؤ تھا بلکہ سندھی اور اردو شعر و ادب سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ فارسی نثر میں تین کتابیں ''مناقبِ علوی''، ''شاہد الامامت'' اور ''لبِ لباب'' لکھیں۔ نظم میں دو دیوان بطور یادگار چھوڑے، ایک دیوان فارسی و اردو (مشترکہ) اور ایک دیوان اردو با تصویر۔

''دیوانِ حسین'' اردو کلکتے میں نظر بندی کے زمانے میں مرتب کیا گیا اور وہیں پر مصوری سے آراستہ ہوا۔ اس دیوان میں دو

غزلیں 'خادم' بردوانی کی پائی جاتی ہیں جن کے آخری اشعار یہ ہیں :

آسماں کردم زمینِ شعر را **خادم** ببیں
مطلع ام چوں مطلعِ خورشید بالا تر شدہ ست

اینکہ ای **خادم** ز فیضِ طبعِ معنی سنج تو
'بردواں' مشہور تر از خطۂ شیراز گشت

ان غزلوں کے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں : "عبدالمذنب محمد خادم بردوان ، ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ -" اس سے گمان ہوتا ہے کہ 'خادم' ہی 'دیوانِ حسین' کے کاتب ہیں ، اور یہ دیوان ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ تک مکمل ہوا - دیوان کی پہلی غزل کا مطلع ہے :

مخفی ہوا تھا ذرہ محمدؐ کے نور کا
آیا ہے اب تو دور انھی کے ظہور کا

آخری غزل کا مطلع یہ ہے :

نظر دلبر کی مجھ سے آج بے تقصیر پھرتی ہے
نہیں چلتی ہے تب تدبیر جب تقدیر پھرتی ہے

'حسین' کے اشعار میں مقامی ماحول کا رنگ ، وطن سے دوری اور قیدِ فرنگ میں کس مپرسی کے تاثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں :

او میاں کچھ بولیے خلاق رازق کی ثنا
کام تجھ کو آوے جو کر سو تو خالق کی ثنا
بھروسہ دم کا نہیں کچھ کہہ شفاعت کے لیے[1]
ختم مرسل میرِ مغرب شاہِ مشرق کی ثنا

۱- سندھ کا مقامی لب و لہجہ -

جن کے حق میں 'لافتیٰ' لایا تھا جبریل امیں
کیوں نہ کہتے ہو بھلا اس شیرِ برحق کی ثنا

چار دن کی زندگانی کا نہیں کچھ بھروسہ[1]
فاطمہ ، شبیرؑ و شبرؑ صاحبِ حق کی ثنا

یہ زباں میری نہیں قابل ہے جو کچھ کیجیے
عابد و موسیٰ رضا ، باقر و صادق کی ثنا

کچھ تو کہہ ورنہ **حسینا** خاک ہونا ہے تجھے
ہادی و مہدی حسن ، جواد و واثق کی ثنا

فرد

حسینا جو کہ کی تقصیر میں نے
خدا کے واسطے وہ یاد مت لا

آیا ہے آج کل کو زمانہ بسنت کا
مطرب شروع کیجیے گانا بسنت کا

برسوں سے میرے دل میں ہے از بسکہ اشتیاق
کیا خوب ہے جو کہیے ترانہ بسنت کا

حاجت نہ رکھتے اس لیے پوشاک زرد کی
بس ہے یہ زرد روئی نشانہ بسنت کا

فرش و فروش زرد ہیں اور ہے لباس زرد
کیا خوب ہے **حسین** زمانہ بسنت کا

۱۔ سندھ کا مقامی لب و لہجہ ۔

حسین میں نے کہا یارِ بے وفا کیتیں
نہ دوستی مری چہتے ، تو کیوں رلاتے ہو

---

[۱] خدا کرے کہ کسی کا جدا حبیب نہ ہو
یہ بددعا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
علاج درد جدائی کا کیا کریں حکما
بجز وصال تمہارے کوئی طبیب نہ ہو
غریب و بیکس و بیمار و بے وطن ، بے یار
ہمارے سا کوئی دنیا میں بس غریب نہ ہو
رہا نہ مال ، نہ لشکر ، نہ ملک ، نے طالع
کوئی مجھی سا یہ عالم میں بے نصیب نہ ہو
حسین بلبلِ گل کو کہا تنہا دیکھ کے خار
بہوت خوب ہیں سب یار گر رقیب نہ ہو

تجھ سے محبوب کے تئیں ناز خرام ایسا ہو
سب نہ کیوں برہمن ہو جاویں جو رام ایسا ہو
زلف بکھری پڑی مکھڑے پہ تمہارے اے جاں
پھر نہ کیوں کر کے پھنسے مرغ جو دام ایسا ہو
ترے لب آگے نہیں کچھ بھی وہ اعجاز مسیح
مردہ کیوں کر جیے گا جو کلام ایسا ہو

۱- مرزا عباس علی بیگ کے قلمی ذخیرے سے یہ تین غزلیں حاصل ہوئی ہیں ۔

نہ تو عالم میں وسیلہ ہے علی سا اے **حسین**
ان کے تئیں غم نہیں جنھیں کا امام ایسا ہو[1]

مت کیجیے اے ابر تو گریہ غبار کو
لے جاوے گی ندی پہ ہوا میرے یار کو
سجتا ہے خوب عشق بھی ہر مالدار کو
ہوتی بہوت مال سے اُلفت ہے مار کو
ٹوکا ہے باغباں نے آسی دن نسیم تئیں
جانے نہیں چمن میں دیا میں نے یار کو
یار آئے، ہار پڑ گئے اور مصحفیں پڑھیں
کچھ آرزو رہی نہ ہمارے مزار کو
خاطر کو میری جان کے تنکا دیوے گا پھینک
دیکھے اگر فراش مرے جسم زار کو
جس دن کہ تو بھی آوے گا مجھ دیکھنے لیے
بیٹھیں گے اوٹھ چیر کے لوحِ مزار کو
کیوں کر رہے گا اس کی گلی میں حسین سا
انصاف ہی نہیں جو ہمارے نگار کو

بادشاہی سندھ کی با تخت و لشکر تاج و فر
یا الٰہی دے مجھے خیرالنسا کے واسطے
جا کے پہنچیں با تجمّل جیتے جی اپنے وطن
رحم کیجے مصطفیٰؐ و مرتضیٰؓ کے واسطے

۱۔ یہ مقامی لب و لہجہ ہے۔

بخت میرے کی درختوں کو کرو سرسبز تم
یا ولی اللہ ! حسن المجتبیٰ کے واسطے

نہ تو ہے تخت نہیں تاج نہیں راج نہ بخت
یہ تو سب چرخِ جفا جو کی ستمگاری ہے
حیف یہ چرخ مجھے کیا تو دکھایا یارو
نہ اسیری ہے ، نہ شاہی ہے ، نہ سرداری ہے
ایسے میں ملک میں رہتا ہوں جہاں ہنس کر لوگ
ہاتھ اٹھا کر مجھے بتلاتے ہیں بازاری ہے

☆ ☆ ☆

۳۳

حمل خان لغاری

(۱۲۲۵ھ—۱۲۹۶ھ)

حمل خان بن رحیم خان 'لغاری' بلوچوں کے 'میرکانی' قبیلے کے چشم و چراغ تھے - ان کی ولادت ریاست خیرپور میں آن کے آبائی گاؤں میں اندازاً سال ۱۲۲۵ھ/۱۸۰۹ع میں ہوئی - فارسی میں تعلیم حاصل کی - انھوں نے بعد میں متصل گاؤں ''میر خان لغاری'' (موجودہ تعلقہ سکرنڈ ، ضلع نواب شاہ) دائمی سکونت اختیار کی - ایک مکتب کی بنیاد ڈالی اور درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا -

خیرپور کے والی میر علی مراد خان نے حمل خان کے لیے ششماہی وظیفہ مقرر کیا جو انھیں گھر بیٹھے ملا کرتا تھا - پیر صاحب پاگارہ کی درگاہ سے بھی حمل خان اور ان کے خاندان کے معتقدانہ تعلقات تھے - حمل خان کی ارادت اور عقیدت خصوصی طور پر نقشبندی طریقے کے ''لواری کے بزرگوں'' سے تھی اور اسی خاندان کے سجادہ نشین خواجہ محمد حسن مدنی کے دست پر بیعت کی تھی -

حمل خان ایک ذہین ، سنجیدہ اور صلح پسند شخص تھے - حاضر جوابی ، خوش طبعی اور نکتہ سنجی ان کی طبیعت اور سرشت میں تھی - حمل خان نے سنہ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ع میں وفات پائی اور

اپنے گاؤں میں دفن ہوئے۔

حمل خاں سندھی اور سرائیکی زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کا سندھی اور سرائیکی کلام مدح ، معجزہ ، منقبت ، مثنوی ، سہ حرفی ، غزل ، بیت ، کافی اور معما وغیرہ اصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔

حمل خاں نے اردو میں بھی اشعار کہے ، جس میں سے بہت تھوڑا کلام دستیاب ہوا ہے[1]۔ مثلاً :

جس کو ہے داغ جگر اُس کو نہیں آرام دل
عشق میں پکا نہیں وہ بے خبر ہے خام دل
جس کے دل کا یار کی زلفوں میں ہردم تھا گزر
اس کا مشکل چھوٹنا ہے جا پڑا در دام دل
جو سجن دل لوٹ لے گیا وہ کبھی آتا نہیں
رات دن وہ ڈھونڈتا ہے گلبدن گلفام دل
ایک پل مجھ سوں جدا ہووے نہیں او ماہرو
دیکھ دل کے درد کاٹوں یہ مرا ہے کام دل
ہر گھڑی ہر وقت مجھ کو یاد ہے وہ دلربا
دم بدم کر کے لیا ہے ورد اس کا نام دل
دین و دنیا عیش و عشرت اس کے دل سوں اترے
جس سخی ساقی کے ہاتھوں پر پیا ہے جام دل
ہور **حمل** کی نہیں کچھ آرزو اس یار بن
اس کا ملنا مانگتے ہیں ہر صبح ہر شام دل

۱۔ ملاحظہ ہو راقم کا مرتّب کیا ہوا ''کلیاتِ حمل'' مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ، حیدرآباد۔

دل رام نہ آوے ، تو دل آرام نہ آوے
دل رام نہ آوے ، تو صبح شام نہ آوے
جس وقت مجھے یار ملے، وقت اس رقیب
بدنام وہ خرخام سیہ فام نہ آوے
گر مطرب و مرغ و مئے ہوویں **حمل** حاضر
بے دوست دل رام کسے کام نہ آوے

☆ ☆ ☆

۳۴

سید مہدی شاہ بخاری

(۱۲۳۰ھ؟ — ۱۲۹۷ھ)

مہدی شاہ بن جڑیل شاہ بن علی محمد شاہ بخاری ، قصبہ 'میرواہ گورچانی' (موجودہ تحصیل میر پور خاص ضلع تھرپارکر) میں تولّد ہوئے ۔ سندھی اور فارسی کی تعلیم پائی ۔ سلسلۂ طریقت میں حضرت پیر صاحب پاگارہ حزب اللہ شاہ کے مرید ہوئے ۔ موسیقی سے بھی شغف تھا ۔ خود کافیاں گاتے تھے ۔ سندھی میں شاعری کی اور صنف 'کافی' کو اپنے کلام میں خوب نبھایا ۔

جمادی الثانی سنہ ۱۲۹۷ھ میں وفات پائی اور شہر 'میرواہ' سے ایک میل دور جنوب مشرق میں 'ولی ملوک شاہ' کے قبرستان میں دفن ہوئے ۔

مہدی شاہ نے اپنی بعض سندھی 'کافیوں' میں آردو الفاظ ، فقرے اور مطلعے استعمال کیے ہیں ۔ مثلاً :

''دیکھو یار کا دیدار ، جو اسرار بن کے آئیا''

''سیر سرو سالاری کا ، جا کے تم گلشن میں دیکھو''

بعض 'کافیاں' آردو میں بھی کہی ہیں :

کافی

وہ جلوہ کا جھلکار ، رنگی رخسار ، اس جنات عدنی کا
من تحتہا الانہار ، دیکھو اسرار سہیل یمنی کا
۱- کج نرگس چشم خماری ، کج کار غلاماں کاری
کوہ طور موسیٰ تکراری
غمزہ ہے غمخوار ، تجلی دار ، گوہر گل بدنی کا
۲- کج زلف لیلۃ القدرۃ ، کج کار غلاماں کثرت
کج ابرو سنبل شجرت
کج ظاہر ہے زنہار ، زلف کی تار ، رضا ربّ ارنی کا
۳- لب احمر سرخ اناری ، کیا لعل موتی مرواری
کیا بخمل بید چناری
کیا چہرے کا چمکار ، جھومک کی تار ، ہیرا کیا کدنی کا
۴- جا مہدی اس جا مریے ، سر پیش دولہ کے دھریے
خوفاں ڈریے[1] آہ نہ کریے
سردار آوپر ہسوار ، قتل کی کار ، حسینی حسنی کا

کافی

ایسے بادل سخی سواپر ، جوان موہن متوالے رے
۱- ہک ہک احسن ، ہک ہک افضل ، ہک ہک[2] بے مثال رے
ہک ہک ابر بحر در دریا ، ہک ہک نور نرالے رے
۲- آل غوث دھر دا ہویا ، بہاؤالدین بحالے رے
صدرالدین رکن کا پوتا ، صاحب جوش جلالے رے

۱- خوفاں ڈریے = خوف سے ڈر کر - ۲- ہک ہک = ایک ایک -

کافی

ایک گل موری مان ، تو اے میری جان ، پیاری واہ

۱- مشک و عنبر مرگھ کے ماہیں، جھاڑ جھٹ سونگھے پھول بن جائیں
ہوے رہیا حیران

۲- مہدی روپ نہ رنجن درشن ، کیسی گوپی لاکھوں کرشن
دل پھر تھئی[1] مستان

کافی

تجھ بن دنیا کی دولت لٹا کون سکے گا

۱- ھفت کشور کی مایا ، سرکار سلیمانی
سکندری خزانے کوں کُھٹا[2] کون سکے گا

۲- چاہِ زنخ کا قیدی در غب غب غرق رہیا
یوسف جیسے بندہ کوں چھٹا کون سکے گا
اژدھا زلف کی عاصا ، موسیٰ کی کرامات
اس کاکل کی ناگن کو ، اُلٹا کون سکے گا

۳- عیسیٰ موسیٰ نبی ، میرا محمد علیہ السلام
اس مہدی شجاع شاہی کوں ہٹا کون سکے گا

☆ ☆ ☆

۱- تھئی = ہوئی ۔ ۲- کُھٹانا = کم کرنا ۔

۳۵

محمد محسن بیکس

(۱۲۷۵ھ — ۱۲۹۸ھ)

محمد محسن ، قادر بخش 'بیدل' کے فرزند تھے - ۲۶ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ع کو روہڑی میں تولّد ہوئے - 'بیدل' نے ان کی ولادت کی تاریخ اس طرح لکھی ہے :

بیست و ششم جماد ثانی زاد

محسن و مولدش مبارک باد

پنج و هفتاد یک هزار و دو صد

بُد ز هجری رسول شاه رشاد

حق تعــالٰی به حقِّ حسنینش

از حوادث زمان مصئون داراد

محمد محسن کو روہڑی میں آخوند عبداللہ نے فارسی کی تعلیم دی اور ''سکندر نامہ'' مکمل کرایا - چودہ سال کی عمر تھی کہ ان کے والد نے وفات پائی - ایک سال کے بعد سیوہن میں قلندر شہباز کی درگاہ پر زیارت کے لیے گئے اور واپس آ کر فارسی میں حسب ذیل

غزل کہی :

من نعرۂ اناالحق دم دم زنم بسوزی
من کوس ذاتِ مطلق دم دم زنم بسوزی

'بیکس' تخلص اختیار کیا اور سندھی میں ''کافیاں'' منظوم کیں ۔ موسیقی سے ان کو خاص شغف تھا اور بسا اوقات خود بھی گاتے تھے ۔ عین عالمِ شباب میں سنہ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ع میں وفات پائی اور اپنے والد کی قبر کے نزدیک روہڑی میں دفن ہوئے ۔

آں یارِ نوجوان کہ خوش بود صحبتش
رفت از جہاں ، بماند ازو داغِ حسرتش
سالِ رحیلِ آں ز خرد جست گفت آں
باوصف ''پاک محمد محسن شہید شوقش''

۱۲۹۸ھ

فقیر محمد محسن نے سندھی ، سرائیکی اور فارسی میں اشعار کہے ۔ سرائیکی میں جو ''کافیاں'' نظم کی ہیں ، ان میں بعض فقرے اور مصرعے ایسے ہیں کہ ان کو آردو کہا جا سکتا ہے ۔ مندرجہ ذیل نظمیں بیشتر آردو ہی میں کہی ہیں :

کافی

تری تصویر مجھ کو یاد تا محشر سجن ہوگا
کہاں محشر رہیا اے دل مدامی دن بدن ہوگا
۱۔ کہاں لیلٰی کہاتا ہو ، کہاں مجنوں بتاتا ہو
کہاں دھر'ہیر' کا نالا[1] ، کہاں شیدا رنجھن ہوگا

۱۔ نالا = نام ۔

۲۔ کہاں شیریں کہاں فرہاد، کب مشتاق کب معشوق
کبھی تم زیر کب بالا ، کبھی عرش و زمن ہو گا
۳۔ کہاں بیدل میرا مرشد ، قلندر شاہ عالم کا
کہاں طالب کہاں مطلوب کہاں خار و سمن ہو گا

کافی

جنازہ لے چلو یارو ، سجن کے کوچے میں میرا
جیتے مرتے گلی اس میں، میرا ہے رین دن پھیرا
۱۔ دیکھیں گے جب فراق دل ، اسی دروازہ دلبر کو
کریں گے سجدہ اور بولیں گے ہوں زخمی پیا تیرا
اگر چاہے سجن میرا کہ اٹھ بیٹھے یہ مڑہ[1] عاشق
ہزاراں شکر کر اٹھوں، دیکھوں کعبہ، دیوں پھیرا
۲۔ ملک منکر نکیر آویں ، پوچھیں گے حال ایماں کا
کہوں گا ہے کہاں 'کنھیا'[2] وہ ایمان دین ہے میرا
۴۔ 'ملا' تم نا جنازہ پڑھ ، جنازہ بھی پڑھے دلبر
جسی کا میرے دل اندر ہوا ہے رین دن ڈیرا
پچھو اس سے بیکس بے وس[3] کیہی تقصیر کیتی ہے[4]
جو اس کوں تم چھوڑا ہے دل اس کی میں ترا ڈیرا

۱۔ مڑہ = مردہ جسم ۔
۲۔ 'کنھیا لال' کی طرف اشارہ ہے جس سے ان کو محبت تھی ۔
۳۔ بے وس = بے بس ۔
۴۔ ''کیہی تقصیر کیتی اے'' = یہ سرائیکی زبان کا جملہ ہے یعنی کون سی خطا کی ہے ۔

کافی

شہنشہ قلندر ! توں ہی ہادی میرا
سوا تیرے صاحب نہیں اور میرا
ملا یار مجھ کوں ، جو ہے خود خیالی
بہر دل ہے جاری شہا حکم تیرا

☆ ☆ ☆

۳۶

میرزا فتح علی بیگ فتح

(۱۲۱۵ھ - ۱۳۰۰ھ)

میرزا فتح علی بیگ ولد میرزا مراد علی بیگ ، محلہ 'ٹنڈو آغا' شہر حیدرآباد کے رہنے والے تھے - وہ ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۰۰ھ میں وفات پائی -

میرزا فتح علی بیگ کا کلام چار اصنافِ سخن پر مشتمل ہے : سندھی رباعیات ، سندھی کلام ، مرثیہ اور سندھی قصائد - اُردو میں سلام اور نوحے بھی کہتے تھے اور امیرانِ سندھ کی مجالسِ عزا کے خاص مرثیہ خواں تھے - بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے - میر حسن علی خاں تالپور نے میرزا صاحب کے کہنے پر ہی شاعری شروع کی ، جس میں اصلاح وہ خود دیتے تھے -

میرزا صاحب کے کلام کا ایک قلمی نسخہ ان کے خالدان میں محفوظ ہے - نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :

حسن انداز بہار روح پرور دیکھیے
گلشنِ احمد سیں اک تازہ گلِ تر دیکھیے
غنچے کھلتے ہی کھلے اسرار باغ دوجہاں
پتے پتے میں ضیائے روئے حیدر دیکھیے

عرق آلودہ جبین پر ہیں ستارے ضوفشاں
دامنِ گل پر جڑے ہیں جیسے گوہر دیکھیے
آئی ہے تیرہ رجب ، ہوتے ہیں جلسے جا بجا
مدحتِ سبطِ نبی ہر اک زباں پر دیکھیے
جاگی ہے تقدیرِ کعبہ ، سو چکی تقدیرِ کفر
روئے حیدر دیکھیے ، زلف معنبر دیکھیے
بادشاہِ 'ھل اتٰی' بھی ، تاجدارِ فقر بھی
ہو رہے ہیں دو جہاں حیران و ششدر دیکھیے
گلشنِ ایمان و عترت بارور ہونے کو ہے
کل سے حسنِ مسجد و محراب و منبر دیکھیے
دستِ حق سے لٹ رہی ہے آج دنیا کفر کی
منہ کے بل گرتے ہیں بت کعبے میں چل کر دیکھیے
فاطمہ بنتِ اسد آئی ہے کعبے کی طرف
بابِ شہرِ علم کی خاطر نیا در دیکھیے
لا فتٰی اِلاّ علی لاسیف اِلاّ ذوالفقار
ایک ضربت میں کٹے جبریل کے پر ، دیکھیے
جن کے دل میں حبِ حیدر موجزن ہے اے فتح
بس وہی جا کر پئیں گے جامِ کوثر دیکھیے

کس درجہ یہ ہشیار ہیں رندانِ محمدؐ
پیتے ہیں فقط بادۂ عرفانِ محمدؐ
کیا نشہ ہے واللہ مئے حبِ نبی کا
پی کر ہوئے ذی ہوش یہ مستانِ محمدؐ

مقدور کہاں ہے کہ لکھوں نعتِ نبی میں
خلاقِ محمدؐ ہے ثنا خوانِ محمدؐ
معراج میں اللہ کے مہمان بنے وہ
اللہ ہو کب دیکھیے مہمانِ محمدؐ
کونین کے بدلے نہ خریدوں کوئی سایہ
کافی ہے مجھے سایۂ دامانِ محمدؐ
شیدا کبھی رخ پر کبھی گیسو پہ تصدّق
کیا دل کہ میں ہوں جان سے قربانِ محمدؐ
آئے ہیں زیارت کو ملک عرشِ بریں سے
اے صلّی علیٰ عظمتِ ایوانِ محمدؐ
ادنیٰ کہ ہو اعلیٰ سب اسی در سے پلے ہیں
ہیں ارض و سما بندۂ احسانِ محمدؐ
سلطانیٔ عالم درِ حضرت پہ گدائی
رتبے میں سلیمان ہے سلمانِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی سے فتح یہ ہوا ظاہر
ہے ایک عرض شانِ خدا شانِ محمدؐ

☆ ☆ ☆

۳۷

نواب اللہ داد خاں لغاری صوفی

(۱۲۳۸ھ — ۱۳۰۰ھ)

نواب اللہ داد خاں بن وزیرِ اعظم نواب ولی محمد خاں لغاری ۲۷ رمضان سنہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ع میں پیدا ہوئے۔ فارسی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کم سنی میں ہی میر محمد نصیر خاں تالپور کے ملازم ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۳ع میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو نواب اللہ داد خاں بھی اس انقلاب سے متاثر ہوئے اور تقریباً دو سال کس مپرسی کے عالم میں گذارے۔ پھر انگریزوں کی ملازمت اختیار کی اور سنہ ۱۸۴۷ع سے ۱۸۶۴ع تک 'مختار کار' کی حیثیت سے کام کیا اور ریٹائرڈ ہو گئے۔

نواب اللہ داد نے کوٹ لاشاری (تعلقہ سیوہن) میں سکونت اختیار کی۔ وہیں ۱۸ محرم سنہ ۱۳۰۰ھ/۳۰ نومبر ۱۸۸۴ع کو وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

نواب اللہ داد خاں ایک باوقار اور صوفی منش بزرگ تھے۔ اپنے وقت کے بڑے ادیب اور شاعر تھے۔ 'صوفی' تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں صاحبِ دیوان تھے۔ اس کے علاوہ قصۂ تسکین و شیدا (مثنوی)، مثنوی اصغر، مثنوی مسکین فارسی میں لکھیں۔ سندھی،

سرائیکی اور اردو میں بھی ان کا کلام موجود ہے۔ اردو کلام سے انتخاب ملاحظہ ہو :

متاعِ عشق جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے
دل و جاں کی بہا سے یہ ثمر لیتے تو ہم لیتے
مزا پایا ہے میں نے ان لبوں کی تلخ گوئی سیں
اگر شیریں زبانی کی شکر لیتے تو ہم لیتے
بہ آبِ چشم اس نوخیز نخلِ نازِ بستاں کوں
کیا ہوں پرورش ، اب تو ثمر لیتے تو ہم لیتے
مریضِ عشق کا دارو مسیحا سے نہ ہو آخر
دوا اس لب سے اک بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے
مرے اس شعر دلکش میں اثر کیونکر نہ ہو صوفی
کہ ہر شعرِ محبت سے اثر لیتے تو ہم لیتے

مکھ اوپر زلف کوں لایا نہ کرو
رین میں دن کوں چھپایا نہ کرو
چشم شوخی سے اٹھایا نہ کرو
مجھ کوں صحرا سیں پھرایا نہ کرو
گر تجھے ڈر ہے خدا کا تو کسی
خنجرِ چشم سے گھایا نہ کرو
اس قدر تاب ضعیفاں کوں نہیں
نظرِ شوق اٹھایا نہ کرو
گر تجھے دل نہیں مجھ سے تو غرض
اپنے منہ میں تو منایا نہ کرو

غیر صحبت میں کبھی مت بیٹھو
مشک کوں گل سے ملایا نہ کرو
گر تجھے پاس ہے صوفی کی عزیز
پاس غیروں کے تو جایا نہ کرو

پہلے کہوں نامِ خدا ، جو ہے خدا سب سے بڑا
شب روز ہے جس کا ثنا ، میری زباں سے ماجرا
مجھ کوں خدا و مصطفٰیؐ
ہیں دو جہاں میں آسرا
والشمس ہے رو کی قسم ، واللیل گیسو کی قسم
مشکین اس مو کی قسم ، مجھ کوں وہ ابرو کی قسم
مجھ کوں خدا و مصطفٰیؐ
ہیں دو جہاں میں آسرا
مہ کیا اسی مکھ سے ملے ، گل کیا اسی گل سے رلے
قرآں صفت اس کے بلے ، جوں ہار ہے اس کے گلے
مجھ کوں خدا و مصطفٰیؐ
ہیں دو جہاں میں آسرا

☆ ☆ ☆

۳۸

نواب تاج محمد خاں لغاری

(۱۲۳۰ھ؟ — ۱۳۰۰ھ؟)

نواب تاج محمد خاں بن نواب غلام اللہ خاں (اوّل) وزیر اعظم نواب ولی محمد خاں لغاری کے بھتیجے تھے ۔ فارسی اور اردو میں شاعری کی ۔ اردو میں آپ کی ایک 'کافی' یہاں درج کی جاتی ہے :

کافی

مجھ ہے فراقِ دیدن یاراں بسے تمام
مانگوں دعا ملن کی ہر روز صبح و شام
یارب دکھائے مجھ کوں آں دوست دلربا
شکرے بجا نمایم اے احکم الحکام
ساقی بیا بما دہ آں لعگوں شراب
جس کا نشہ ہے غالب کلی اوپر تمام
کہتا ہے تاج محمد ، سن اے سجن پیارا
مجھ پاس کر نظارہ ، دے عشق کی زمام

☆ ☆ ☆

۳۹

مخدوم امین محمد امین

(۱۲۵۴ھ — ۱۳۰۳ھ)

مخدوم امین محمد بن مخدوم محمد زمان ، سندھ کے مشہور ولی حضرت مخدوم نوحؒ صدیقی سہروردی کی پشت میں سے تھے - وہ ۷ شعبان سنہ ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ع کو شہر ہالا میں تولد ہوئے - آخوند محمد قاسم سے وقت کے رواج کے مطابق تعلیم حاصل کی - پندرہ سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور آپ درگاہ سروری ہالا کے تیرھویں سجادہ نشین ہوئے - ۲۷ رمضان سنہ ۱۳۰۳ھ/۲۹ جون ۱۸۸۶ع میں وفات پائی -

مخدوم امین محمد صاحب سندھی زبان کے اچھے شاعر تھے - ان کی 'کافیاں' مشہور ہیں جن میں مجاز و حقیقت اور وحدت و کثرت کے عارفانہ نکات بیان کیے گئے ہیں - اردو میں بھی شعر کہتے تھے اور 'امین' تخلص کرتے تھے - ان کے اردو کلام کا نمونہ درج ذیل ہے :

آہ و فریاد و فغاں پر میرے یہ ہنستے ہیں لوگ
کوئی کہتا ہے کہ جی اور جان سے بھی مر رہا
عشق میرا ہے ، تمھاری عقل ہے افراسیاب
دل کے میدانِ مظفّر رستمِ رن پر رہا

اے امین اس بات پر انصاف ہے اس آن میں
سیکڑوں سر گم ہوئے گمراہ کا رہبر رہا

تجھ دام سے مجھ دل کو چھڑا کون سکے گا
تقدیر کے لکھنے کو مٹا کون سکے گا
وہ لائے مرے حق میں چھری سینے پہ میرے
اس ہاتھ حنائی کو ہٹا کون سکے گا
مژگان کے تیروں سے تو زخمی ہیں ہزاروں
گھایل کو ترے دیکھ بچا کون سکے گا
افسون گری کرتے ہیں خود وہ مرے دل پر
پیچوں سے مجھے اس کے چھڑا کون سکے گا
گر آپ چلیں ۔ ہار ہو اے میرے پیارے
اس داغِ جدائی کو مٹا کون سکے گا
ہردم ہے امین میری شفاعت پہ محمدؐ
گردش میں زمانے کے لٹا کون سکے گا

غزلِ فارسی آمیز

اے امین نزد ما می آمد دوش
از من و عشق یار جوشاں جوش
یار مست و خراب آیا ہے
ساغرِ سرخ ناب لایا ہے
جو مزہ دائمی تھا پایا ہے
دست در دست بادہ نوشاں نوش

من کی میں نے مراد ہے پائی
عالمِ افلاک سے صدا آئی
حال بد مست زلف لہرائی
بانگ بوسے کی گرم گوشاں گوش

آ ملا جسم و جان کا جانی
جان میری تھی جس کی مہانی
دیکھ دلبر مرا ہے لاثانی
گئے رقیبوں کے حال ہوشاں ہوش

لوگو! محفل میں کیا کروں اظہار
میں نے دیکھا وہ دلربا دلدار
اب تو اک بات سے بھی ہوں لاچار
یار کہتا ہے ہو خموش خموش

یار کیوں ہوتے خفا پھر ہو دوبارہ ہم سے
آج کیوں اُلٹ گیا میرا ستارہ ہم سے
شعلۂ دل سے مرے آسماں بھی جلتا ہے
آگ تو بجھتی نہیں میرے چشم[1] کے نم سے
خنجرِ دستِ حنائی کے ہزاروں کشتہ
بستہ ہیں تیرے سجن زلف کے ہر ہر خم سے

☆ ☆ ☆

۱۔ 'چشم' بحرکتِ 'ش' مقامی سندھی لب و لہجہ ۔

۴۰

نواب غلام اللہ خان لغاری

(۱۲۵۴ھ — ۱۳۰۳ھ)

نواب غلام اللہ خان ، ربیع الآخر سنہ ۱۲۵۴/۱۸۳۸ع میں پیدا ہوئے ۔ اُنھوں نے اپنے والد نواب جان محمد خان (اوّل) کے زیراثر تربیت پائی ۔ عمر کا کافی حصہ عبادت اور ریاضتوں میں بسر کیا ۔ چونکہ فقیرانہ طبع کے انسان تھے ، لہٰذا کچھ ہی عرصے میں ان کے معتقدین کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہوگیا ۔ ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد اُن کے مریدوں کے زمرے میں داخل ہوئی ۔ آپ نے اپنے کو ایک جگہ ''غلام اللہ فقیر صافی العلوی سبزپوش صوفی القادری'' لکھا ہے اور اپنے فقرا کو ''غلام السُّہیاں سبز پوش'' سے موسوم کیا ہے ۔ اپنی جاگیر 'ستّیاری' (تعلقہ شہداد پور) میں بود و باش رکھی ، جہاں پر سنہ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸٦ع میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے ۔ معتقدین نے آپ کے مزار پر ایک شان دار مقبرہ تعمیر کرایا ہے ۔

ذوقِ شعر و ادب انھیں ورثے میں ملا تھا ۔ سندھی ، سرائیکی اور ہندی میں آپ کا اچھا خاصا کلام موجود ہے ۔ 'مسکین' تخلص کرتے تھے ۔ فارسی بلکہ عربی میں بھی نظم لکھنے کی مشق کی ۔ فارسی

میں ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :

کاروانِ تجارتِ دوران
برسرش آشیان بلای بود

چند کمتر ازین رهایانند
گوش میدان همی صلای بود

فقیر نواب غلام اللہ کے اعلیٰ اخلاق اور انسان دوستی سے متاثر ہو کر ہندو نہ صرف ایک کثیر تعداد میں آپ کے معتقد ہوئے ، بلکہ مریدوں کے زمرے میں شامل ہوگئے۔ ان کی تبلیغ اور ہدایت کے لیے انھوں نے زبانِ ہندی میں انھی اصناف پر طبع آزمائی کی جن سے ہندو مانوس تھے اور جو ان میں مقبول تھیں۔ ان کے ہندی کلام کا زیادہ تر حصہ 'شبدوں' ، 'شلوکوں' اور 'پوڑیوں' پر مشتمل ہے۔ اس نصیحت آمیز کلام میں انسانی اخلاق کی بلندی ، توحید اور معرفت کی تبلیغ کی گئی ہے۔ ایسا کلام جو نسبتاً زیادہ اردو آمیز ہے اس میں سے انتخاب درجِ ذیل ہے :

مسکیں ممتا روگ ہے ، سربھ روگن کی چھاپ
جو بن ممتا چھالیا ، اس جنم گوایا آپ

مسکیں ممتا او گنی ، جس ہوئی ، گن ناہہ
جو جن سنت سروپ ہے ، کبھوں م بھٹکے کانہہ

مسکیں مایا موہنی ، سندر روپی نار
لاکھ چھلاوے ہر جناں ، بھٹکاوے سنسار

مسکین مارگ چالئے ، بن مارگ مت چال
جو نر مارگ نا چلے، کر میں ھُوت کنگال

نیناں بادل برستا ، کرتا نت بہار
رین دناں رُت میگھ ہے، آتم دیکھو یار

دم دم کا مرنا بھیا ، مکھ سیں کہو نہ جاے
ہم کہتی ہوں آپ کوں ، جلت جات جل جاے

نت نت لاگے پریم کا جان ہماری کان
اس شہادت عشق کی نا کو نام نشان

صوفی نام کہاون ایسا جیسا نام ہری کا
ناکونام ٹھام اس جن کا ، ناکو ہندھ[1] پری کا

'لا الہ' نفی سوں لر گیا ، اس آس جنم مٹایا
'الا اللہ' کیا استھانا ، آواگون گنوایا

لاگی چھاپ سری ستگر کی ، مٹیا سکل گمان
الحمد کی گھنگھور سیں پایا پریم گیان

۱۔ ھندھ = مکان ۔

من بھر میڑیا موہنا محرم من کا میت
کُبدھیا میں ڈوبتی ساچاؤں کی پریت

ھر کا بھید پہچانیے ، اور نہ کیجیے آس
اک دن کایا ہو بسی[1] تب لگ آس نراس

☆ ☆ ☆

۱- قلمی نسخے میں یہ سطر اتنی صاف لکھی ہوئی نہیں - اصلی الفاظ ''کایا ہو میسی'' ہیں -

۴۱

غلام حیدر فقیر گرناری

(۱۲۲۵ھ؟ — ۱۳۱۰ھ؟)

غلام حیدر فقیر 'تھیبہ' قوم کے ایک فرد تھے - مدارس میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی - بعد میں حق اور حقیقت کی تلاش میں صحرا نوردی اختیار کرلی - کچھ عرصے کے لیے جھونا گڑھ کے مشہور پہاڑ 'گرنار' پر بھی چلّہ کشی کی اور اس نسبت سے 'گرناری' کہلانے لگے - بالآخر سید قنبر علی شاہ صاحب بھاڈائی[1] کی صحبت میں ان کی روحانی تربیت اور تسکین ہوئی - چنانچہ وہ ان بزرگ سے دست بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا -

سنہ ۱۲۶۴ھ میں جب قنبر علی شاہ صاحب نے وفات پائی تو غلام حیدر نے فارسی میں قطعۂ تاریخ لکھا - اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے اپنے مرشد کے مزار پر سکونت پذیر ہوکر خدمتِ خلق میں مشغول ہوگئے - قرائن سے پتا چلتا ہے کہ وہ ۱۸۹۰ع (۱۳۰۸ھ) تک

۱- ملاحظہ ہو مندرجہ بالا ، ص ۸۲ -

غالباً زندہ تھے[1] مگر اس کے بعد جلد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

غلام حیدر عالی ہمت اور بلند حوصلے کے مالک تھے۔ خود کے لیے 'تیرھا' یعنی شہباز کا تخلص اختیار کیا اور اپنے پیر و مرشد سید قنبر علی سے متاثر ہو کر 'بیت' اور 'وائیاں' منظوم کیں اور صاحبِ 'رسالہ' ہوئے۔ ان کے 'رسالہ' (بیتوں اور وائیوں پر مشتمل کلام کا مجموعہ) کے جو اجزا ہمیں ملے ہیں ان میں سے 'بیراگ ہندی'، 'میگھ ملار' اور 'دھناسری' کے 'سروں (ابوابِ رسالہ) کے تحت ان کا ہندی اور اردو کلام بھی پایا جاتا ہے جس میں سے کچھ اشعار نمونے کے طور پر ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

بیراگ ہندی

دیکھے جب چشم پیارے کے تو ہم مستان ہو جاتے
سر و پا کوں برہنہ کر اگر عریان ہو جاتے

نہ دے آزار مجھ دل کو تو اے آرامِ جان سمجھو
یہ خوبی کچھ نہیں رہتی سدا اے مہربان سمجھو

میرا محبوب اب آیا ہمارے کول، آ دیکھو
کلی دل کی صفا کر کے گھنگھٹ کوں کھول، آ دیکھو

۱۔ اسی سال ان کا کلام ''رسالہ حیدری' کے نام سے لاہور کے مصطفائی پریس سے شائع ہوا، جس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ''کمالیت انتساب عارف باللہ فقیر غلام حیدر صاحب، درگاہ شاہ شریف ۔۔۔ پر سکونت پذیر ہیں۔''

نہ میں کسی کے سنگ ہوں ، نہ کوئی میرا سنگی
میں جسی کے سنگ ہوں ، وہ ہمارا سنگی

میگھ ملار (وائی)

مو کوں مورے گرو کا ہے بھرواسا
ہوں میں جنم جنم کا جس کا داسا
ایسا گرو میں پورن پایا
جس نے میٹی تن کی تاسا[1]

دھناسری

دُھن تو نام سبحان کوں ، دھن تو محمد میر
دُھن تو شہ مردان کوں ، دھن تو شبر شبیر

پیر میرا پاک ہے ، سرتاجوں کا تاج
سریا ہر کوئی کاج[2] ، جو میرے اندر آئیا

☆ ☆ ☆

۱۔ میٹی = مٹا دی ۔
۲۔ سریا ہر کوئی کاج = سب کام پورے ہوئے ۔

۴۲

حاجی فضل محمد ماتم

(۱۲۳۰ھ؟ — ۱۳۱۲ھ؟)

فضل محمد، عباسی خاندان میں سے تھے۔ سنہ ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ ان کی ولادت ہوئی۔ وقت کے رواج کے مطابق اچھی تعلیم پائی۔ ان کے ایک شعر سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ جوانی کے زمانے میں شاید بنگال کی طرف گئے اور وہاں کچھ عرصہ رہے:

یاد آتا ہے زمانہ مجھے سودا پن کا
سیر کرتا تھا میں بنگالہ میں سندربن کا

طب کا مطالعہ کیا اور طبابت کو بطور مشغلہ اختیار کیا۔ حرمین شریفین کو حج کے لیے گئے۔ انھوں نے سندھ میں حیدرآباد اور اس کے گرد و نواح میں زندگی بسر کی مگر خاص مسکن حیدرآباد ہی رہا۔ کچھ عرصے کے لیے شہر سے متصل ٹنڈہ میر نور محمد خاں میں رہے، اور وہاں سے بسا اوقات دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر شہر کوٹڑی جایا کرتے تھے۔ خود کہتے ہیں:

کوٹڑی بھی سندھ میں وہ شہر ہے
جس میں وصلِ جاں سے دل کو بہر ہے

صبح کو یا شام کو جاتا ہوں ، یار
کہتا ہے پھر جاؤ دن دوپہر ہے

کچھ عرصہ شہر حیدرآباد سے سات میل شمال کو 'ہٹڑی' نام کے گاؤں میں رہے ۔ زندگی کے آخری ایام بھی وہیں گذرے اور غالباً وہیں پر سنہ ۱۳۱۲ھ کے لگ بھگ وفات پائی ۔ اپنی ایک نظم میں 'ہٹڑی' گاؤں کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے :

گل رویوں کے ہونے سے گلستاں ہے تو ہٹڑی
شیریں دھنوں سے شکرستاں ہے تو ہٹڑی
جو کوئی غریب آیا ، گیا پھر نہ وطن کو
صبحِ وطن و شامِ غریباں ہے تو ہٹڑی
گو سندھ ہمہ شہر ہے خوباں کا جہاں میں
پر سندھ میں شہرِ شہِ خوباں ہے تو ہٹڑی
ہٹڑی میں گرفتار ہے اک پردہ نشیں کا
ماتم کے لیے گوشہ زنداں ہے تو ہٹڑی

بہرحال وہ شہر حیدرآباد کے گرد و نواح میں ہی زندگی بسر کرتے رہے اور خود کو بجا طور پر 'حیدرآبادی' سمجھتے تھے :

'فتح باغی'[1] نے 'نصرپوری'[2] ہیں بلکہ
سندھ میں بھی حیدرآبادی ہیں ہم

ماتمِ آلِ عبا میں تخلص ہی 'ماتم' اختیار کیا ۔ البتہ سندھ کے مذہبی روایات میں تعصب کا نام و نشان نہ تھا ۔ 'ماتم' ان ہی روایات کے

۱- 'فتح باغ' کا شہر ۱۶ صدی میں موجودہ تحصیل 'ماتلی' ضلع حیدرآباد میں آباد تھا ۔ اب تک اس کے کھنڈرات باقی ہیں ۔

۲- 'نصرپور' حیدرآباد سے ۱۵ میل مشرق میں واقع ہے اور ابھی تک موجود ہے ۔

علم بردار تھے۔ کہتے ہیں :

فرقۂ ناجیہ ہیں وہ ، جو لوگ　　خاندانِ نبی پہ قربان ہیں
آل و اصحابِ حضرتِ نبوی　　رہِ ایمان کے چراغاں ہیں
حضرتِ سیّدِ محی الدین　　دوستان ! اپنے پیرِ پیراں ہیں
کوئی پوچھے تو یہ کہو ماتم　　ہم سگِ کوے یزداں ہیں

'ماتم' اپنے دور کے سربرآوردہ شعراء میں سے تھے۔ سندھی اور اُردو کے قادرالکلام شاعر تھے۔ سندھی غزل گو شاعروں میں ممتاز تھے۔ میر عبدالحسین 'سانگی' ، غلام محمد شاہ 'گدا' ، کمال الدین 'مست' اور غلام مرتضٰی شاہ 'مرتضائی' جیسے معاصروں نے ان کو داد دی اور ان کے تتبع میں غزلیں کہیں۔

ایک غزل ، جس میں 'سانگی' نے 'ماتم' کو داد دی ہے ، وہ ''دیوانِ سانگی'' جلد اول (سندھی) میں شامل ہے ، جس کی تکمیل سنہ ۱۳۱۰ھ میں ہوئی۔ اس وقت 'ماتم' کی پیری تھی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ 'ماتم' نے ۱۳۱۲ھ کے لگ بھگ یا اس سے کچھ پہلے وفات پائی۔

فضل محمد 'ماتم' اُردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا یہ دیوان خستہ حالی میں سلامت بچ گیا ہے۔[1] شروع کی نظم یہ ہے :

.... عشق جنابِ امیر کا　　نشہ ہے مجھ کو بادۂ خمِ غدیر کا
.... مہر منیر کا　　عاشق ہوں میں کسی کے رخِ بینظیر کا

۱۔ ''دیوانِ ماتم'' اُردو کا قلمی نسخہ جناب محترم مرزا اسد بیگ صاحب سے ملا۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ نسخہ حاجی 'حقیر' کو ہٹڑی کے گاؤں سے خستہ حالی میں دستیاب ہوا۔

آخری نظم میں دیوان کی تکمیل کی تاریخ لکھی گئی ہے - بالکل آخری اشعار یہ ہیں :

هزار و دو صد و چارم نوے میں
ہوئی "دیوانِ ماتم" کی تمامی
کہی ماتم سنِ هجری میں اس کی
"گلِ باغِ ارم" تاریخ تامی
۱۲۹۴ھ

دیوان کے مطالعے سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں :

(۱) دیوان کی ترتیب و تکمیل کے وقت ، یعنی ۱۲۹۴ھ میں 'ماتم' یقیناً پیرسن تھے - کہتے ہیں :

عہدِ پیری بھی مبدّل مرگ سے ہوگا یقین
جس طرح پیری سے بدلا ماتم ایّامِ شباب

آپ کو گھیر لی اے ماتم محزوں پیری (ردیف ث)

جوانی کا ہے عالم عالمِ خوش
غمِ پیری نہ گر رکھتا ہو درپے

تری پیری ہے ماتم اب تو کر تو
خدا را دفترِ اشعار کو طے

اچانک آن پہنچا عہد پیری
گیا برباد ایّامِ جوانی

(۲) غالباً وہ لاولد تھے ۔ دیوان کا ایک شعر ہے :

لاولد کہتے ہیں ہم کو لاولد
شعر سے ازبسکہ اولادی ہیں ہم

ان کی ایک سندھی غزل جو ۳ مارچ ۱۸۸۲ع کو اخبار "سندھ سدھار" میں چھپی تھی ، اس میں بھی ایک شعر بالکل اسی مفہوم کا پایا جاتا ہے ۔

(۳) اردو خواہ فارسی شاعری میں 'ماتم' کا مطالعہ کافی وسیع تھا ۔ وہ اپنے اشعار میں متعدد شعرا کے نام لائے ہیں ۔ مثلاً :

میں ہوں نادان دور افتادہ دانائی کے دیوان سے
نہ ثانی ہوں **صحابی** کا ، نہ ہم بزمِ **ایاضی** ہوں
پریشان دل ہوں میں تنہائی سے **ماتم** زمانے میں
نہ ہم دورانِ **فیضی** ہوں ، نہ ہمعصرِ **فیاضی** ہوں

نظر آتا نہیں کوئی جہاں میں
جسے کہیے ہمیشہ کا مقامی
کہاں **ناسخ** ، کہاں **آتش** ، کہاں **رلد**
کہاں **فردوسی** و **سعدی** و **جامی**
کہاں **شوکت** کہاں **حشمت** کہاں **فیض**
کہاں **فیّاض** ، **عالی** و **امامی**
کہاں **حافظ** ، کہاں **سلمان** لیکن
ابھی تک ان کی ہے شیریں کلامی
نظامی گرچہ ہے زیرِ زمیں چپ
زمیں ہے پر پُر از نظمِ نظامی

(۴) بعض شعرا کو داد دی ہے اور ان کے اشعار تضمین کیے

ہیں ۔ مثلاً :

مصرعِ حیدر ہے ماتم میری وردِ صبح و شام
"اندہِ فرقت میں مجھ کو بیقراری رات ہے"

پڑھ کے مصرع رلد کی ماتم سنا اس شوخ کو
"دل سلامت ہے اگر اپنا تو دلبر سینکڑوں"

جان فدا اوّل سے ہوں اس مصرعِ استاد کا
"کس طرح ہو ترک مجھ سے عشق مادر زاد کا"

خواجہ حیدر علی 'آتش' کو استاد سمجھتے ہیں اور ان کو دل کھول کر داد دی ہے[۱] :

آتش کا شعر پڑھتا ہوں اکثر بحسبِ حال
دل . . . ہے وہ بحرِ سخن کے نہنگ کا

یہ شعرِ خواجہ' آتش ہے اپنا ورد مدام
کہ تھا وہ شاہِ سخن بندۂ فدائے قدح

کسی شاعر کے مصرع کو یوں تضمین کیا ہے :

کسی شاعر کی کیا خوش مصرعِ موزوں ہے یہ ماتم
"لٹا آئے خدا کے نام پر ہم بھی چمن اپنا"

(۵) 'ماتم' کو اپنی غزل گوئی پر ناز تھا ۔ کہتے ہیں :

پڑھیے ماتم کے بھی اک دو شعر یار
گر کبھی شغلِ غزل خوانی کرو

---

۱ ۔ آتش کے مطبوعہ کلام میں یہ اشعار نہیں ملتے ۔

سنا تو اور بھی ماتم غزل ایک
تری طبعِ رواں آبِ رواں ہے

بھرے ہیں بسکہ گلرویوں کے اوصاف
مرا دیواں بھی رشکِ گلستاں ہے

سخن دانوں اور 'گوشِ فہیم' رکھنے والوں سے 'ماتم' خراجِ تحسین کے متمنّی ہیں :

امیّد ہے ماتم کہ سخن دانِ زمانہ
لکھیں گے مرا نام بھی شیریں سخنوں میں

گر نہ سمجھا مدعی نے شعر میرا کیا ہوا
اس گُہر کے واسطے درکار ہے گوشِ فہیم

جس سینہ صاف نے مرا ماتم سنا یہ شعر
انصاف کی زباں سے کہا واہ واہ واہ !

بعض اشعار میں تعلّی سے بھی کام لیا ہے ۔ نہ صرف سندھ کے سربرآوردہ شاعروں پر ان کو اپنی برتری کا دعویٰ ہے ، بلکہ فارسی اور اُردو کے اساتذہ شعرا کے کلام سے بھی اپنے کلام کو کچھ کم نہیں سمجھتے :

شاعرانِ سندھ سے ماتم تم آج
شعر میں دعوائے خاقانی کرو

تلخ ماتم کا بھی کلام نہیں
گرچہ شیریں ہے شعر جامی کا

یہ یقیں ہے بے گماں اے ماتمِ محزوں ، حزیں
گر مرا دیوان پڑھے تو اپنا دیوان چھوڑ دے

دیکھ ماتم مجھے سودا نے بیاباں میں ، کہا
ترے دیوان کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ 'ماتم' نے آج سے تقریباً ایک سو سال پیشتر اردو زبان کو اپنایا ، اور اس میں اتنی دسترس بہم پہنچائی کہ ان کو اہلِ زبان سے دعوائے ہمسری کی ہمت ہوئی ۔ ماتم کے دیوان سے انتخاب درجِ ذیل ہے :

کہتا تھا روز مجھ سے کہ مرتا نہیں کہیں
ظالم ! موا میں ، اب تو ترا کام ہو گیا

گرچہ لاکھوں لکھے گئے دفتر
قصۂ عشق ناتمام رہا

دربدر بیکس و آوارہ پھراتے ہیں ہمیں
گردشِ بخت جدا ، گنبدِ دوّار جدا

آج کل پھر ہے مجھے دولتِ دیدار نصیب
آج کل پھر ترے طالع کا ستارہ چمکا

کسی عاشق کی خوں نوشی کا شاید شوق ہے تجھ کو
نہیں تو ، کیا سبب ہے پان کھا کر مسکرانے کا

مرے دل سے جلن سیکھے ہے بجلی ، ابرِ باراں بھی
مری آنکھوں سے سیکھے ہے ہنر آنسو بہانے کا
دلِ گم گشتہ کا کیا فکر کرتا ہے عبث **ماتم**
گیا جو ہاتھ سے چڑیا ، نہیں پھر ہاتھ آنے کا

ماتم نہ نا اُمید خدا کے کرم سے ہو
محروم کب کریم کے در سے گدا گیا

گاہ از آتشِ ہجراں ، گہے از آبِ وصال
رشکِ گلخن ہے کبھی سینہ کبھی گلشن کا

چل دیے اے **ماتمِ** مغموم رفقا تیرے جب
دارِ دنیا میں ہوس رہنے کی تو کیوں کر رہا

یار آیا خانۂ **ماتم** میں ہے
آج بر افروختہ شمعِ طرب

گھر میں تو روز رہتے ہو صاحب
آج کی شب یہاں رہو صاحب
پان کھا کر کے کم ہنسو صاحب
خونِ عشّاق مت کرو صاحب
مصحفِ رخ کی اپنے کھاؤ قسم
ہاتھ مصحف پہ مت رکھو صاحب

شعر میرا ماتم اس کے زمزموں سے کم نہیں
گلشنِ دوراں میں ہوں میں ہمنوائے عندلیب

عاشق ہوئے ہیں آپ کی ہم سن کے خوبیاں
کیوں کر کہیں کہ حور پری یا بشر ہیں آپ

گرچہ انساں کے لیے بہتر ہے اے دلدار چپ
خوش نہیں پر صورتِ تصویر بھی یکبار چپ
ہم ہمیشہ ہیں فراقِ یـار میں نالاں و زار
ہم سے ہم‌چشمی نہ کر اے ابرِ دریا بار چپ

یار سنتا نہیں ہماری بات
جانتا ہے دروغ ساری بات

غمِ مردن ہے جس کے حق میں شادی
وہی ہے مردِ میدانِ محبت
زباں کو جس نے گویـائی دی ماتم
کیـا مجھ کو مدح[1] خوانِ محبت

رخ و گیسو کا دکھا جلوہ بہم اے محبوب
اپنی جانب کو دلِ مومن و کفّار لپیٹ
محرمِ راز جو ملتے تو ہویدا کرتے
دل میں رکھتے ہیں ہم اپنے کئی اسرار لپیٹ

۱- 'مدح' سندھی لب و لہجہ کے مطابق استعمال ہوا ہے -

صاحبِ بد سے رہو دور کہ لیتا ہے دلا
نیکواں کو اثرِ صحبتِ اشرار لپیٹ

الغیاث اے شاہِ خوباں الغیاث
تیرے ہاتھوں سے ہوں نالاں الغیاث
تجھ کو سب معلوم ہے، تجھ پر عیاں
کیا کہوں میں رازِ پنہاں الغیاث

نہیں گر دل لگی رنگیں رخوں سے تجھ کو اے ماتم
دکھاتا ہے تو پھر رنگینیِ اشعار کیا باعث

کیا کریں کس سے کہیں حالِ دلِ بیمار ہم
کون کرتا ہے محبت کے مریضاں کا علاج
اے میاں جرّاح یہ مرہم لگانا ہے عبث
کیا ہے زخمِ خنجرِ خونی نگاہاں کا علاج

کیا کرے گا عاشقوں کا چارہ گر ناداں علاج
دردِ دل کا سخت مشکل ہے، نہیں آساں علاج
میں تو کہتا ہوں کہ مرض العشق مرض الموت ہے
گر نہ باور ہو مرا، کر دیکھیے یاراں علاج

گر مجھے سمجھے پری رو اپنی تسخیروں کے بیچ
خود بخود بیخود میں پاؤں، پاؤں زنجیروں کے بیچ
کس کی زلفِ پُرخم خم میں دل پھنسا ہے جس طرح
ایک دیوانہ ہو قابو لاکھ زنجیروں کے بیچ

ابروانِ یار سے لڑتا ہے ماتم ، دیکھیے
یک تنہہ دل حملہ آور ہے دو شمشیروں کے بیچ

جو اپنے ہاتھ نگاریں سے بھر دے جانانہ
ہزار جان اگر ہوں ، کروں فدائے قدح
دکھایا دہر نے ہم کو بہم غم و شادی
ز گریہ ہائے صراحی و خندہائے قدح
یہ شعرِ خواجہ آتش ہے اپنا ورد مدام
کہ تھا وہ شاہِ سخن بندۂ فدائے قدح

ایک جلوے نے جلایا طُور کو
یار کے دیدار کی ہے نار شوخ
کوچۂ خوباں میں اے زاہد نہ جا
ورنہ بیچیں گے تری دستار شوخ
مجھ مریضِ عشق کو بولے طبیب
تو نہیں بچنے کا ہے بیمار شوخ

میں مشتِ پر ہوں فقط چند استخواں صیّاد
پھنسا کے مجھ کو کرے گا تو کیا میاں صیّاد
کیا بہار میں جیسا خراب خانہ مرا
خدا خراب کرے تیرا خانماں صیّاد

دوستاں رکھتے ہیں راہِ عشق میں
پا پیادہ شہسواروں پر گھمنڈ

دشمن جاں ہیں جو ماتم رکھتے ہیں
دوستیٔ دوست دراں پر گھمنڈ

حسنِ دو روزہ پہ مت کر اے گلِ احمر گھمنڈ
عالمِ فانی بقا پر چاہیے کیوں کر گھمنڈ

سایۂ عشق پھرا سر سے نہ، یاروں نے ہزار
لاکھ لکھوا کے ترے سر سے پھرائے تعویذ
لکھ دو ایسا کوئی تعویذ میاں جی مجھ کو
کہ مرے منہ سے گلے کا وہ لگاوے تعویذ

بھیجتا ہوں میں کسی ثانیِ بلقیس کے صوب
میرا لے جائے مگر مرغِ سلیماں کاغذ

قیس گر ویراں بیاباں دیکھتا روتا ضرور
والہ و حیراں غزالاں دیکھتا روتا ضرور
بسملِ تیرِ مژہ کی اپنے بے تابی اگر
وہ شہِ ابرو کماناں دیکھتا، روتا ضرور
گر بخونِ عاشقاں تشنہ بہ لب خوبانِ سندھ
دوستاں لعلِ بدخشاں دیکھتا روتا ضرور

عاشق ہیں ہم تو یار تمھارے جمال پر
چنداں جمال سے بھی زیادہ کمال پر

دیتا ہے روز روز دلاسے نئے نئے
کس طرح اعتبار ہو حافظ کی فال پر

با وفا تھے اس قدر ، یا بے وفائی اس قدر!
آشنا تھے اس قدر ، ناآشنائی اس قدر!
ساتھ ہوتے تھے سدا یا منہ بھی دکھلاتے نہیں
یا نہ ہوتے تھے جدا ، یا ہے جدائی اس قدر!
صد ہزاراں آفریں صورت گرِ ایجاد کو
جس نے جاناں کی یہ صورت خوش بنائی اس قدر!

الحذر مِن قربِ نار المحترق
دور سے خوباں کو اے دل ہاتھ جوڑ

اب تو اے غنچہ دہن مل مجھ سے ورنہ مثلِ گل
تجھ کو بھی رسوا کروں گا اپنے پیراہن کو پھاڑ
گرچہ دنیا میں تماشے ہیں بہت بے حد مزے
طرفہ تر پر یار سے خوش وصل میں ہے چھیڑ چھاڑ

زلفِ پری کا ہے مجھے سودا بسر ہنوز
دیوانگی دکھاتی ہے اپنا اثر ہنوز
اپنے مریضِ عشق سے ہے بے خبر ہنوز
عیسیٰ کو ہے ہمارے گمانِ دگر ہنوز
خط دیکھ کر مرا مرے قاصد سے یوں کہا
کیا گل نہیں ہوا وہ چراغِ سحر ہنوز

دکھلائے نہ اے آتش دل کچھ اثر افسوس
دم بیس رقیبوں کے جلائے نہ گھر افسوس

اُلفت جانی قفس سے ہے مجھے ، حق میں مرے
چار دیوار چمن ہیں چار دیوار قفس
آہ مرغان چمن عالم سے عنقا ہو گئے
کس لیے کہتا ہے اے ماتم تو اشعار قفس

کیا بولوں میں پیری میں بھی مجھ اہل جنوں کو
ہوتے نہیں طفلان پری زاد فراموش
ہچکی بھی کبھی آتی نہ غربت میں مجھے وائے
یاران وطن کا ہوں میں وہ یاد فراموش

خوباں کی طرف جس کی نظر پڑتی ہے یکبار
ہوتا ہے وہیں آئینہ کردار مشوّش

بلبل باغ قناعت ہے تمام آرام سے
در جہان خرمی عنقا ہے آرام حریص

دُر دنداں کا پیش ہے مضمون
جب کہ ہوں بحر فکر میں غواص
گر کرے گا تو قتل ماتم کو
تجھ سے قاتل نہ لیے گا کوئی قصاص

نے سرو سے غرض ہے ، نہ گلنار سے غرض
ہم کو ہے کس کے قامت و رخسار سے غرض
ماتم جنابِ حضرتِ نبوی کے بعد بس
رکھتے ہیں ہم تو حیدرِ کرّار سے غرض

تجھ لب کے آگے ذکرِ شکر ہے غلط غلط
کوچے سے تیرے فکرِ سفر ہے غلط غلط
آخر حیات موت سے ہوتا ہے جب بدل
مرنے سے میری جان حذر ہے غلط غلط

خوب کسبِ عاشقی ہے ، سیکھ لے ماتم تمام
مردمِ دانا ہی رکھتے ہیں ہنر سے اختلاط

توڑنے سے دلِ عشاق کے کیا ہوتا ہے
توڑ معشوق کا اے چرخِ ستم گار لحاظ

جن کا گیسوے معنبر سے معطّر ہے مشام
کب ہوں وے نافۂ آہوے خطا سے محظوظ
جانِ عشاق یہاں پیرہنِ تن میں ہے تنگ
دہنِ معشوق وہاں تنگ قبا سے محظوظ

کیا شباہت شمع کو تیرے رخِ پُرنور سے
کیسی نسبت رکھتی ہے با مطلعِ انوار شمع

سوز و گداز عشق سے آگے ہے کیا مگر
ہے شام سے جو صبح تلک اشک بار شمع
عاشق نہیں اگر رخِ روشن پہ ، کس لیے
محفل میں تیرے جلتی ہے پروانہ وار شمع

ہے بدن اپنا سراسر سر سے لے تا پائے داغ
اے فلک دیتا ہے تو کیا داغ بر بالائے داغ
ذبح کر کے مجھ کو قاتل نے تو دیکھو کیا کیا
اپنے دامن سے مرے لوہو کے بھی دھلوائے داغ
رہ گئے سب اپنے بیگانے کنارِ قبر پر
ساتھ اس وحشت کدہ میں بھی ہمارے آئے داغ

عاشقی و مفلسی ہے حیف حیف
بے دلی و بے کسی ہے حیف حیف

پھر بہار آئی ، ہوا پھر میرا دامن گیر عشق
پھر لگے دستِ جنوں جانے گریباں کی طرف
عشق نے پھر مجھ کو یارو کوچہ گردی میں رکھا
دیکھ کر روتا ہوں پھر گردونِ گرداں کی طرف

حسرت و درد و غم و رنج و الم
جس کے نوکر ہیں ، وہ ہے سلطانِ عشق
دم بدم ہے عیدِ قربانی ہمیں
دم بدم ہوتے ہیں ہم قربانِ عشق

جو کوئی پڑھتا ہے ، عاشق ہوتا ہے
اپنا بھی دیوان ہے دیوانِ عشق

ازبسکہ دوڑے منزلِ مقصود کے لیے
پہنچی ہماری گرد نہ پر کارواں تلک
سینہ ہزار ہائے تمنّا سے پُر تھا پر
قسمت قفس سے لے نہ گئی بوستاں تلک

تحمّل کرتی ہے کیا کیا جفائیں
ز دستِ آتش و آب و ہوا خاک
ہمارے آب چشموں کی بدولت
ہوئی ہے سبزہ زارِ خوش نما خاک
میسّر ہو تو ہم آنکھوں میں پائیں
ترے پا کی ، بجائے توتیا خاک

کیوں کوہ کن و قیس رہیں مجھ سے نہ نالاں
نالوں سے مرے کوہ و بیاباں میں لگی آگ

پیدا کرے ہزار گلِ لالہ زار رنگ
لائے کہاں سے پر ترے رخ کا نگار رنگ

ہاتھ جاتے ہیں مرے سمتِ گریباں آج کل
پاؤں پھیلاتے ہیں کوئے شاہِ خوباں آج کل
کر گیا ہے وادیٔ وحشت سے مجنوں کوچ کیا
پھرتے ہیں جو بے کس و بے بس غزالاں آج کل

روئے روشن پر کھلے رہتے ہیں مشکیں موے یار
جمع ہیں صبحِ وطن ، شامِ غریباں آج کل

مجھ سے کہتا ہے وہ ہلال مرا
دیکھ قدِ خمیدہ شکلِ ہلال
عیدِ قرباں ہے اے صنم ، بخدا
کیجیے جائے میش مجھ کو حلال
مشتری ہوں میں جس کا نامِ خدا
وہ بتِ مہ جبیں ہے زہرہ جمال

رات دن ، صبح و مسا بوئے گل‌افشاں ہے نسیم
کیا ہوئی کس غیرتِ گلشن کے کوچے کی مقیم

دودمانِ درد کی شادی ہیں ہم
خاندانِ غم کی آبادی ہیں ہم
اپنے آبِ چشم سے سرسبز ہیں
زیبِ دست و زینتِ وادی ہیں ہم
ہم گنہگارِ جنابِ عشق ہیں
عبد عبّادی ، نہ اورادی ہیں ہم
اے عزیزاں ترکِ عشق و حسن میں
سنگ پر یوں نقش بہزادی ہیں ہم
کیا کہیں کہاں تھے کہاں سے آئے ہیں
مثلِ مضمونِ نو ایرادی ہیں ہم

پیروانِ یار ہیں روزِ ازل سے سربسر
میرا اور مجنوں کا ہے آپس میں یارانہ قدیم
سو درستی ہے شکستِ خضر میں اے مدّعی
فیضِ حکمت سے نہیں خالی کوئی فعلِ حکیم

کیا کہیں ہم چنیں چناں چوں ہیں
بندۂ بارگہِ بے چوں ہیں
نرم اس شوخ کا کیے دل جیت
اپنے اشعار ہیں کہ افسوں ہیں

کوئی آزاد ہو تو ہو یارو
ہم تو ہیں عشق کے اسیروں میں

نہ گلوں میں ہوں میں ، نہ خاروں میں
عشق کے ہوں جگر فگاروں میں
صاف کہتے ہیں ہم تو ہیں ہم تو
کس کے کوچے کے خاکساروں میں
عملِ عشق شکرِ حق ، زاہد
نہ تو عیبوں میں ہے ، نہ عاروں میں

حال دل کا عیاں کروں نہ کروں
رازِ پنہاں عیاں کروں نہ کروں
دوستو خوار کر دیا ہے مجھے
دل کو دشمن گماں کروں نہ کروں

خط مرا پڑھ کر یہ قاصد سے کہا
کیا ابھی جیتا ہے وہ، مرتا نہیں؟

اگر اے دل ربا دیکھیں ترا رخ اک نظر پریاں
تو دل دے کر تجھے چٹ پٹ وہیں ہو جاویں سب چریاں
جمال و شوخی و ناز و ادا و غمزہ و عشوہ
عطا کی ہیں صنم تجھ کو خدا نے ساری دلبریاں
صبا گلشن میں کس میکش کی آمد ہے جو یہ تو نے
چمن کے چوک میں چن کر گلوں کی پیالیاں دھریاں
کہو یہ ابرِ باراں سے کہ وہ ایراں میں جا برسے
کہ ہندستاں میں کافی ہیں ہمارے چشم کی تریاں[1]
بہار آئی ہے پھر کر بلبلوں کے واسطے **ماتم**
چمن میں پھرتے ہیں پتھروں سے لڑکے جھولیاں بھریاں

دلِ نادان کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں
دشمنِ جان کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں
در بدر قسمتِ دوار پھراتی ہے ہمیں
چرخِ گردان کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں
گرچہ ہیں بے سرو ساماں، مگر از نالہ و آہ
سر و سامان کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں
گہہ شبِ وصل گہے روزِ فراق آتا ہے یاد
دورِ دوران کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں

۱۔ اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'ماتم' ہندوستان میں ایک عرصے تک رہ چکا تھا۔

دیدہ و دل ہیں پُر از آتش و آب اپنے سدا
برق و باران کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں
دیکھ **ماتم** مجھے **سودا** نے بیاباں میں کہا
تیرے دیوان کو ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں

دل چاک کیے اُلفتِ غنچہ دہنوں میں
پر بوئے وفا پائی نہ ہم گل بدنوں میں
صفرائی طبع ہو گئی آخر مری یارو
سودائے سلیمان ترنجی ذقنوں میں
دیکھا ہے کوئی گل مرے محبوب سا ہرگز
اے بادِ صبا پھرتی ہے تو بھی چمنوں میں
ابرو کے اشارے سے کیا یار نے آخر
مشہور جہاں نام کو شمشیر زنوں میں
کہتے ہیں نہیں لعلِ بدخشاں میں مگر سنگ
ہاں خاک مری قدر بھی ہو ہم وطنوں میں
اُمید ہے **ماتم** کہ سخن دانِ زمانہ
لکھیں گے مرا نام بھی شیریں سخنوں میں

ہندو بچہ نے چھین کے دل مجھ سے یوں کہا
ہندوستاں بھی کشورِ تُرکاں سے کم نہیں
مصرِ جہاں میں غور سے **ماتم** جو دیکھیے
ہر ایک خوبرو مہِ کنعاں سے کم نہیں

روتے تھے رات طائرِ گلزار زار زار
کیا واقعہ ہوا ہے، صبا ماجرا کہو
دیکھا ہے کوئی گل مرے محبوب سا کہیں
باغوں میں تو بھی پھرتی ہے بادِ صبا کہو

ہاتھوں کو پھر ہوا ہے گریباں دری کا شوق
پاؤں کو پھر ہوئی ہے سلاسل کی آرزو
آخر سرِ وصالِ صنم میں ہوا وصال
ماتم خدا نے سب مری حاصل کی آرزو

دلبر مرا ہے خسروِ شیریں لبانِ سندھ
شیریں لباں ہیں گرچہ ہمہ دلبرانِ سندھ
لے جاتے ہیں نگہ میں دل و جان دوستاں
بنگالہ سے بھی زور ہیں جادوگرانِ سندھ
کس دلربا کو دوں میں بھلا اختیارِ دل
اک دوسرے سے پیش ہیں سب دلستانِ سندھ
جوں دور سے ہو برق اندھیرے میں خوشنما
آئے ہیں چاندنی میں نظر سہوشانِ سندھ
پُر ہے ہمہ حسین و صبیح و ملیح سے
گویا ہے کانِ حسن جہاں میں مکانِ سندھ
ماتم ہوں میں تو بلبلِ باغِ سخن ولے
بندی زباں سمجھتے نہیں گل رخانِ سندھ

کیا چاہیے ، کیا کہتا ہے لب لب سے ملا کر
جانان کا مگر محرمِ اسرار ہے حقہ

شاید صبا اُٹھا ترے کوچے میں لا رکھے
اس شوق سے میں سوکھ ہوا شکلِ برگِ کاہ

دل ہے فدائے حسن و جمالِ محمدیؐ
جاں ہے نثارِ شان و کمالِ محمدیؐ
مثلِ خدا حبیبِ خدا بھی ہے بے مثال
بے مثل مثل سے ہے مثالِ محمدیؐ
حاتم ہزار شکر خدائے قدیر ، آن کہ
دستِ من است و دامنِ آلِ محمدیؐ

پلا ساقی شرابِ ارغوانی
کہ مستی میں کہیں رازِ نہانی
دلِ صاحب دلاں ہیں لوٹ لیتے
بتانِ سندھ با شیریں زبانی
جو کوئی عاشقِ خوباں ہو یارو
کرے قطعِ امیدِ زندگانی

فصلِ بہار ساقی مستان بکام ہے
درکار ہم کو اب ترے ہاتھوں سے جام ہے
صوفی تمام شہر کے ہیں مے پرست ، لیک
بدنام زاہدوں میں تو بندہ کا نام ہے

ہم تو مریدِ حضرتِ پیرِ مغاں ہوئے
اے زاہدِ زمانہ ، ہمارا سلام ہے
یاروں نے سن نشے میں مری یہ غزل ، کہا
ماتم بھی طرفہ شاعرِ شیریں کلام ہے

فتنہ قربان ترے نرگسِ شہلا پر ہے
سرو بھی صدقے ترے قامتِ رعنا پر ہے

جب وہ گلرو خرام کرتا ہے
سرو جھک کر سلام کرتا ہے
خون پیتا ہوں میں کہ غیر سے یار
جرعہ نوشی مدام کرتا ہے
جو مسلماں کہ دیکھتا ہے تجھے
اے صنم ! رام رام کرتا ہے
تجھ سوا ماتم اے مہِ بے مہر
صبح رو رو کے شام کرتا ہے

نازِ خوباں ہے ناز پر اپنے
ہم ہیں نازاں نیاز پر اپنے
ہم کو فکرِ رسا پہ فخر ہے یار
تم کو زلفِ دراز پر اپنے
سرخرو شرم سے ہوں میں ماتم
نہ مفخّر نماز پر اپنے

خط اب عارض پہ نمودار ہوا چاہتا ہے

سبزہ آرایش گلزار ہوا چاہتا ہے

یار اغیار مرا یار ہوا چاہتا ہے

خواب میں طالع بیدار ہوا چاہتا ہے

فرط عشاق سے کوچہ ترا اے یوسف سندھ

اب تو جوں مصر کا بازار ہوا چاہتا ہے

☆ ☆ ☆

۴۳

محمد ابراہیم خلیل ٹھٹوی

(۱۲۴۳ھ — ۱۳۱۷ھ)

محمد ابراہیم بن مخدوم عبدالکریم جمادی الاول سنہ ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ع میں ٹھٹہ میں پیدا ہوئے - پہلے علوم فارسی و عربی کی تحصیل کی ، بعد میں فارسی نثر و نظم کا ذوق پیدا ہوگیا - پہلے 'مسکین' تخلص کیا اور ''دیوان مسکین'' مکمل کیا - مکاتیب کی ''کشکول مسکین'' کے نام سے مرتب کیا - بعد میں اپنے نام ابراہیم کو مناسبت سے 'خلیل' تخلص اختیار کرکے دوسرا ''دیوان خلیل'' تیار کیا - مکاتیب کے دوسرے ذخیرے کو ''انشاے مائدۂ خلیل'' کے نام سے مرتب کیا - فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے اور 'قانع' کے ''مقالات الشعرا'' کا تتمہ بنام ''تکملۂ مقالات الشعرا'' لکھا - سنہ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ع میں ٹھٹہ میں فوت ہوئے -

خلیل کو سید غلام محمد شاہ 'گدا'[1] کی صحبت میں اردو کا ذوق پیدا ہوا - ان کے یہاں 'ناسخ'، 'آباد' اور 'آتش' کے دواوین دیکھے اور متاثر ہوکر چند غزلیں کہیں - خود لکھتے ہیں :

''زبان ھندی را فقیر نداند ، مگر از سبب اثر صحبت سید

۱- ملاحظہ ہو ص ۱۷۲ -

غلام محمد 'گدا' تخلص ، کہ چار پنج روز در بلدہ (تھتہ)
بودہ . . . و دیوانِ 'ناسخ' و 'آباد' و 'آتش' را دیدہ شد۔
ازان این قدر اثری شدہ کہ چند غزل گفتہ شد ـ"[۱]

سید غلام محمد شاہ 'گدا' شہر ٹھٹہ میں سید کریم بخش 'عزیز' کے یہاں ٹھہرے تھے ۔ ابراہیم خلیل ان کے یہاں جایا کرتے تھے اور وہ بھی بلا ناغہ روزانہ ایک دو مرتبہ ان کے یہاں تشریف لے آتے تھے ۔ ایک دن نہ آ سکے تو خلیل نے یہ رباعی لکھ کر ان کی خدمت میں بھجوائی :

بدین قدر ز چہ آیا رمیدہ‌ای از من
بحیرتم کہ چساں آرمیدہ ای از من
منت مدام شب و روز آرزومندم
تو از چہ دامنِ دل را کشیدہ‌ای از من

'گدا' کو جیسے ہی یہ رقعہ ملا ، چل پڑے اور کافی فاصلہ طے کرتے ہوئے خلیل کے یہاں پہنچے اور آتے ہی فرمایا :

خلیل سے جو **گدا** لحظہ رمیدہ ہو
تو پھر زمانے میں کس طرح آرمیدہ ہو

عصر کو دوبارہ تشریف لائے تو خلیل نے کہا :

کہاں ہے لحظہ ، دو شب ایک دن جدائی تھی
مجھے یہ صبح بھی اک شامِ بے نوائی تھی

☆ ☆ ☆

۱- تکملہ ، ص ۱۷۹ -

۴۴

نواب حسین علی خان

(۱۲۶۴ھ — ۱۳۱۷ھ)

نواب اللہ داد خاں صوفی[1] کے تیسرے صاحب زادے تھے ۔ ۵ ربیع الاول ۱۲۶۴ھ میں تولّد ہوئے اور ۲۷ صفر ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی ۔ سندھی کے کافی گو شاعر تھے ۔ آردو میں غزلیں کہیں جن میں سے ایک دستیاب ہوئی ہے :

مجھے اب ماہِ خوبی نے 'حسن'[2] کی جلوہ دکھلائی

آتر گئے سب الم دل توں ، رہی سینے مصفّائی

ہوا روشن چمن سارا ، بہارستان لگی دل میں

کھلے گل ہر طرف ظاہر ، بِرہ جب بوند برسائی

بِرہ کی بات کوں دل میں چھپانا بہت مشکل ہے

ذرا کچھ چھپ نہیں سکتا ، آخر ہوتی ہے شنوائی

۱۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ بالا صفحات ۱۳۸ - ۱۳۹ ۔

۲۔ 'حسن' بحرکتِ دوم ، سندھی لب و لہجہ کے مطابق استعمال ہوا ہے ۔

شرابِ ارغوانی سوں مزا آتا نہیں ساقی
مجھے ساغر محبت سوں بے حد ہے چاشنی آئی
حسینؔ اس عشق کا نعرہ جسی کی دل میں ظاہر ہے
نہیں اس خوف اور خطرہ، نہ آخر کی ہے رسوائی

۴۵

پیر نصیرالدین نقشبندی

(المتوفی ۱۳۱۸ھ)

شاہ نصیرالدین بن پیر عبدالحی نقشبندی ، نوشہرہ فیروز (ضلع نواب شاہ) کے بزرگوں میں سے تھے - جھوک عرف میران پور کے صوفی بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے - ان کے حلقے میں بڑے بڑے بزرگ شامل تھے - سنہ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ع کے لگ بھگ ان کا انتقال ہوا -

پیر نصیرالدین کا کلام سندھی اور فارسی میں موجود ہے - ان کی سندھی 'کافیاں' مشہور ہیں - اُردو میں بھی ان کا کلام پایا جاتا ہے - نمونہ ملاحظہ ہو :

قامت سے تری سروِ خراماں ہے حیران
لعلوں سے ترے لعلِ بدخشان ہے حیران
مرجان بھی مرجان سے بے جان رہی ہے
پنجے کی حنا دیکھ کے غلطان ہے حیران
روتا ہوں ترے ہجر سے شب روز اے دلبر
آنکھوں سے مرے قلزمِ عمّان ہے حیران

نالہ جو کروں ہجر میں شب روز **نصیرا**
نالوں سے مرے رعد پریشان ہے حیراں

☆ ☆ ☆

۴٦

سید غلام محمد شاہ گدا

(۱۲۵۳ھ — ۱۳۲۲ھ)

سیّد غلام محمد شاہ بن سیّد حسن علی شاہ کا خاندان اصل میں مشہدی سادات سے تھا ، وہاں سے قندھار میں آ کر بسے۔ سندھ کے عباسی کلہوڑہ حکمرانوں کے دور میں سندھ کے پایۂ تخت خدا آباد میں آئے۔ وہاں سے بالآخر تالپور امیروں کے عہد میں حیدرآباد میں آ کر متوطن ہوئے۔ غلام محمد شاہ کی ولادت شہر حیدرآباد میں سنہ ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ع میں ہوئی ۔ آخوند احمد بن عبدالعلیم ساونی سے تعلیم حاصل کی اور محمد روشن حیدرآبادی سے شعر میں شرف تلمذ حاصل کیا ۔ تصوّف میں وہ قادری طریقے سے وابستہ تھے ۔ سندھی ، فارسی اور اُردو کے بلندپایہ شاعر تھے اور 'گدا' تخلص کرتے تھے ۔ ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ع/۱۳۲۲ھ کو حیدرآباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے ۔

میر شاہنواز خاں ، لس بیلہ کے جام میر خاں ، میر بہرام خاں ، میر عبدالحسین خاں 'سانگی' اور میر اللہ بخش شاہنوانی 'گدا' کے ممدوحین میں سے تھے ۔ میر عبدالحسین خاں سانگی کی طرف سے گدا کے لیے انعام و اکرام کا سلسلہ باقاعدگی کے ساتھ جاری رہا :

امیرِ زماں میر عبدالحسین
گدا کو سخا سے بھلاتا نہیں

امیرِ ذوالکرم عبدالحسین خاں
گلِ باغِ سخا ہے ، قدرداں ہے

میر عبدالحسین خاں صاحب
فیض بخشی میں رشکِ دریا ہے

'گدا' اپنے معاصرین میں معمّر تھے - ان کی عمر اور علم و فضل اور شعر میں دسترس کی وجہ سے میر عبدالحسین خان 'سانگی' ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کو اپنا 'استاد' سمجھتے تھے - 'سانگی' نے اپنے ایک سندھی شعر میں 'گدا' کو اردو کا 'آتشِ ثانی' قرار دیا ہے -

'گدا' کے سندھی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیر کی خاطر دو بار دہلی گئے تھے ، بلکہ ایک عرصے تک سندھ سے باہر ہندوستان میں رہے - سفر کے دوران غالباً وہ اردو شعرا سے ملے اور انھی صحبتوں کے باعث ان کو اردو میں شعر کہنے کا شوق دامنگیر ہوا - ابراہیم خلیل نے لکھا ہے کہ وہ 'ناسخ' اور 'آتش' کے دواوین کو اپنے ساتھ رکھتے تھے - اس میں کوئی شک نہیں کہ 'گدا' فارسی اور اردو میں شعرگوئی کو فضیلت کا نشان سمجھتے تھے - یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی سندھی غزلوں میں گاہے بگاہے فارسی اور اردو کے مصرعے ضم کرتے ہیں -

"تکملۂ مقالات الشعرا" کے مؤلف اور 'گدا' کے ہم عصر، ابراہیم خلیل ان کے ثنا خواں ہیں اور اُن سے دلی محبت اور روحانی رابطے کے حامل ہیں۔ نظم، نثر اور علمِ تاریخ میں 'گدا' کی مہارت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"در کلامِ هندی نهایت صاحبِ دستگاه است . . .
در کلامِ هندی بغایت مهارت و نهایت خبرت دارد۔"[1]

خلیل نے گدا کی یہ غزل نمونے کے طور پر نقل کی ہے:

گلے میں یار کے شب کو جو ہم نے روغ کیا
دوچار جب ہوا اغیار، تب دروغ کیا

برنگِ کرمکِ شب تاب ہو گیا مہتاب
جمالِ عارضِ جاناں نے جب فروغ کیا

شبِ فراق بھی منظور ہم کو تھی شوکت
سپاہِ غم کے لیے ہم نے آہ طوغ کیا

صفائی قلب کی ہر لحظہ کیوں نہ ہو لازم
خدا نے قوت ہماری جو شیر و دوغ کیا

نہ ایک رات بھی وہ ماہ رو ہوا با مہر
گدا کے دل نے ہزار اس کے غم کا سوغ کیا

"کلیاتِ گدا" کے مطبوعہ نسخے[2] میں ان کے اُردو کلام میں

۱۔ تکملہ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، صفحات ۵۲۳ و ۵۲۵۔
۲۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، ۱۹۵۷ع۔

سے تین منقبتیں ، اٹھائیس غزلیں ، ایک قطعہ ، ایک فرد اور دو رباعیاں موجود ہیں ۔ مگر ان کی وہ غزل ناپید ہے جو خلیل نے 'تکملہ' میں نقل کی ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'گدا' کا پورا اردو کلام جمع نہیں ہوسکا ۔ گدا کے کلام سے انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

مخمس در شانِ رسول کریم صلعم بر تضمینِ قدسی

ختم ہے تجھ پہ نبوت اے شہِ مطّلبی
تیرے محتاج ہیں سب شاہ و گدا شیخ و نبی
ہے مجھے تیری ثنا سے ہی صفائے قلبی
مرحبا ! سیّدِ مکّی ، مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سیّدا ! مجھ کو تری ذاتِ مقدّس کی قسم
واسطے تیرے بنے ارض و سما ، لوح و قلم
نور تیرے سے منوّر ہوئے دونوں عالم
منِ بیدل بہ جمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

ذاتِ اطہر سے شفاخواہ ہمہ پیر و نبی
ہے شفاعت کی قبا جسمِ مطہّر پہ پھبی
مثل **قدسی** کے ہے کہتا یہ **گدا** تشنہ لبی
سیّدی انتَ حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوئے تو **قدسی** پئے درمانِ طلبی

منقبت در شان علیؓ

علی ہے آب و رنگ و بوئے گلزارِ الٰہی کا
علی ہے لؤلؤے لالائے عمّانِ خدائی کا
علی ہے مصدر الانوار نورِ کبریائی کا
علی ہے مظہر الاسرار سرّ مصطفائی ﷺ کا
علی کا نام ہے رہبر رہِ صدق و صفائی کا
لڑکپن میں شہا! تو نے دہن چیرا تھا اژدر کا
تجھے بخشا مرے مولٰی! خدا نے حوض کوثر کا
کیا تجھ شاہ کی جرأت نے زہرہ آب عنتر کا
گدا ہے مدح گو گلشن فقط اک آپ کے در کا
کرم اس پر کرو، صدقہ شہیدِ کربلائی کا

غزلیات

بارک اللہ! سہرِ مولٰی کی یہ کیا ایجاد ہے
دل مرا قمری ہے، قدِ یار گر شمشاد ہے
گرچہ ہے بیرنگ رنگِ عرض و جوہر سے مگر
رنگ سے اس گل کے رنگیں گلشنِ ایجاد ہے
کیا کروں تعریف اس کی جس کی صورت دیکھ کر
صورتِ تصویر حیرانِ مانی و بہزاد ہے
گرچہ ہے مشہورِ عالم شہر حسن آبادِ ہند
''کوٹڑی'' بھی سندھ میں اک شہرِ حسن آباد ہے
میں گدا روزِ ازل سے ہوں محمدؐ کا غلام
دل میں حبِّ شاہِ مرداں قلعۂ فولاد ہے

اسیر کر کے مجھے ہو گیا نہاں صیاد
خدا کے نام بتاؤ کہ ہے کہاں صیاد
عبث تو میری طرف سے ہے بدگماں صیاد
ہے ڈر کہ گر نہ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد
بھلا میں جاؤں قفس چھوڑ کر کہاں صیاد
اگر گماں ہے تجھے، کر لے امتحاں صیاد
نہ آب و دانہ کا مجھ کو خیال ہے دل میں
گلا یہ ہے کہ ہے غیروں پہ مہرباں صیاد
کبھی کرے نہ کسی کو اسیرِ کنجِ قفس
اگر مری سنے اک بار داستاں صیاد
یہ عندلیب نے رو رو کے ہجرِ گل میں کہا
کراؤ چل کے مجھے سیرِ بوستاں صیاد
کمالِ شوق سے، اُڑتے ہی دام میں ہوں پھنسا
نظر جو دور سے آیا وہ باغباں صیاد
جو آئے دل میں ترے، کر وہی جفا و ستم
میں ایک لمحہ کا تیرا ہوں میہماں صیاد
کبھی کبھی تو وہ سنتا ہے حالِ دل میرا
خدا کا شکر، ملا مجھ کو قدرداں صیاد

سماں باغ کا مجھ کو بھاتا نہیں
بجز تیرے کچھ دل میں آتا نہیں
جہاں میں جو چرچا محبت کا ہے
بجز میرے کوئی دکھاتا نہیں

بتانِ جہاں سے ہے کیا واسطہ
صنم کوئی تجھ سا تو بھاتا نہیں

کتابت میں کس کے حوالے کروں
کوئی یار تک لے کے جاتا نہیں

پرندوں کو بھی مجھ سے ہے دشمنی
کبوترِ خطِ یار لاتا نہیں

کرے گا مرے گھر کو روشن وہ ماہ
جسے کوئی بادل چھپاتا نہیں

لبِ بام آیا ہے شاید وہ ماہ
نکلنے کو اب چاند آتا نہیں

ابھی باہر آنے کو ہے شوقِ دل
وہ اب پیرہن میں سماتا نہیں

بجز میر عبدالحسین سندھ میں
کوئی شعر موزوں بناتا نہیں

زمانے میں کوئی بجز **حیدری**
کسی اور کے گیت گاتا نہیں

امیرِ زماں میر عبدالحسین
گدا کو سخا سے بھلاتا نہیں

قدِ جاناں ہے یا سروِ رواں ہے
رخِ زیبا، بہارِ بے خزاں ہے

مری آنکھوں کے خونی آنسوؤں سے
فراقِ یار میں دریا رواں ہے

یہ میری آہ کی ہے گر نہ تاثیر
تو پھر چکّر میں کیوں کر آسماں ہے
غمِ دوری سے دلبر کے شب و روز
لبوں پر میرے فریاد و فغاں ہے
کیا بےخود مجھے ساغر پلا کر
یہ فیضِ صحبتِ پیرِ مغاں ہے
مجھے کیا فکر ہے روزِ جزا کا
رسول اللہ ﷺ شفیعِ عاصیاں ہے

جب وہ دلبر دوش سے ہم دوش تھا
بادۂ عشرت کا تب اک جوش تھا
بحرِ غم میں غیر ہوتا کیوں نہ غرق
جب کہ مجھ سے یار ہم آغوش تھا
سنتے ہی اُس گل کی خوش الحاں صدا
ہر گلِ رنگیں ہمہ تن گوش تھا
جن کی ہر لمحہ تمنّا تھی مجھے
اُس کے لعلِ لب کا بس مے نوش تھا
دیکھ کر اُس ماہ کا حسن و جمال
شکوۂ فرقت سے میں خاموش تھا
عالمِ فانی کا سب عیش و نشاط
جاگنے پر خواب کے روپوش تھا
عشقِ مولیٰ میں تھا جب بے خود **گدا**
عیشِ دنیا کا نہ اُس کو ہوش تھا

تری بزم میں ہم ہیں آنے کے قابل
ہیں اغیار مردود جانے کے قابل

بجز میرے ہے کون ، اے ماہ پیکر
ترے قدم پر سر جھکانے کے قابل

اشارہ کریں گے ترے سامنے کیا
نہیں جب کہ ہم سر ہلانے کے قابل

اگر حق کے طالب ہو ، باطل کو چھوڑو
کہ ہے حرفِ باطل مٹانے کے قابل

ملو مجھ سے آ کر کہ اے راحتِ جاں
شکر شیر سے ہے ملانے کے قابل

ترے عاشقوں میں نہیں کوئی مجھ سا
غمِ ہجر میں زہر کھانے کے قابل

غزل مجھ غلامِ محمد ﷺ گدا کی
زمانے میں ہے داد پانے کے قابل

خوش کیا ہم نے اس ستم گر کو
توڑ کر اپنے کاسۂ سر کو

کیا عجب کردیں لمحہ میں غرقاب
چشمِ گریاں سے شہر کو ، بر کو

یہ تمنا ہے میری ، جا کے دھروں
اس کے قدموں میں کاٹ کر سر کو

اس پری رو نے کر دیا بے قدر
لب و دنداں سے لعل و گوہر کو

دیکھ کر قامتِ بلندِ دوست
کیوں خجالت نہ ہو صنوبر کو

لبِ شیریں سے اُس کو کیا تشبیہ
قند کو ، انگبیں کو ، شکّر کو

یا الٰہی ! تو پھر حکومت دے
جام صاحب[1] غریب پرور کو

فتح و نصرت نصیب ہو دائم
اس عظیم الوقار سرور کو

مجھ کو حاصل ہو دولتِ دیدار
ہے گدا کی صدا یہ حیدر کو

جس کا میں بلبل ہوں وہ رشکِ چمن ملتا نہیں
جس کا میں کمخاب ہوں وہ گلبدن ملتا نہیں
کوہکن سا کوہکن ہوں مثلِ مجنوں دشت دار
پھر بھی رشکِ لیلیٰ شیریں سخن ملتا نہیں
بادشاہت جن کی تھی ، وہ آج ہیں مثلِ گدا
آدمی کو دائما عیشِ زمن ملتا نہیں
روضۂ رشکِ جناں پر جن کو ہردم ناز تھا
ہائے اُن کے واسطے گور و کفن ملتا نہیں
اے گدا مُہرِ خموشی اپنے منہ پر تو لگا
آہ و زاری سے کبھی غنچہ دہن ملتا نہیں

۱- یعنی جام میر خان صاحب والیٔ لس بیلہ ۔

کل جو آیا وہ گل‌اندام گلستاں کے قریب
آ گئی جان میں جان بلبلِ بے جاں کے قریب
مرغِ دل جا کے پھنسا زلفِ پریشاں کے قریب
جیسے بلبل ہو کوئی سنبلِ پیچاں کے قریب
آنکھیں پھرتی ہیں مری اُس دلِ ویراں کے قریب
مست جس طرح سے آہو ہو بیاباں کے قریب

کل جو اُس گل کا گذر جانبِ گلزار ہوا
اُس کے عارض کی طرف دیکھ کے گل، زار ہوا
مرغِ دل دامِ محبت میں گرفتار ہوا
پھر نئی طرح عطا عشق کا آزار ہوا
جو کوئی نشۂ توحید میں سرشار ہوا
بے گماں ہر دو جہاں میں وہی سردار ہوا
عیش و عشرت میں گذارے گا وہاں صبح و مسا
خوابِ غفلت سے یہاں جو کوئی بیدار ہوا
ہفت افلاک و زمیں میں ہے جو پنہاں و عیاں
کلمۂ 'کن' سے خدا کے ہے وہ اظہار ہوا
آلِ احمدؐ کا دل و جاں سے گدا ہوں اے **گدا**
روزِ اوّل سے یہ اس بندے کا اقرار ہوا

زلفِ دلدار زنگ باری ہے
یا فرنگی ہے، یا تتاری ہے
چشمِ جاناں سے ہو چکے ہم قتل
تیغ ہے، تیر ہے، کٹاری ہے

قدِ جاناں ہے سروِ باغِ جہاں
روئے دلدار گلِ بہاری ہے
دردِ ہجراں میں تیرے اے گلرو
میری شب روز آہ و زاری ہے
'لل' نے وہ خواب میں نہیں دیکھی
جو کہ اس دل میں بے قراری ہے
دشمنوں کو بھی رب دکھائے نہیں
جس طرح مجھ کو انتظاری ہے
روز و شب ، صبح و شام بلکہ مدام
تیرے در پر **گدا** بھکاری ہے

اسی محبوب کو دیکھا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
سراپا نورِ وحدت تھا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
عرق تھا اس کے عارض پر ، گری شبنم تھی لالہ پر
طلا تھا یا کوئی ہیرا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
وہ آنکھیں اس کی شیرافگن کہ جن کے خوف سے آہو
بیاباں کی طرف بھاگا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
خیالِ زلف نے دل کو ڈسا تھا مار کی مانند
بلا سے بھی وہ تھی بالا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو
گدا اس شمع رو کا ہوں دل و جاں سے میں پروانہ
ہے عالم جس کا دیوانا کہ ہا ہا ہا کہ ہو ہو ہو

تجھ سا کوئی اے نازنیں ، دیکھا نہیں ناز آفریں
دیکھا نہیں ناز آفریں تجھ سا کوئی اے نازنیں

تیری گلی خلدِ بریں ، میرے لیے ہے اے پری
میرے لیے ہے اے پری! تیری گلی خلدِ بریں
دل پر مرے نقشِ نگیں ہے مہر تیری اے صنم
ہے مہر تیری اے صنم دل پر مرے نقشِ نگیں
ہجراں میں ہوں زار و حزیں مجھ کو ہے سوگند حزیں
مجھ کو ہے سوگند حزیں ہجراں میں ہوں زار و حزیں
یا سرورِ دنیا و دیں! تو ہی تو سیّد ہے مرا
تو ہی تو سیّد ہے مرا ، یا سرورِ دنیا و دیں!

دیکھ کر تیرے رخِ درخشاں کو
داغ ہے دل میں ماہِ تاباں کو

اپنی زلفیں نہ چیر تو ہر بار
کر پریشاں نہ مجھ پریشاں کو

تیرے یاقوت لب سے ہے بھاری
سنگ سینے پہ لعلِ رمّاں کو

شوخیٔ چشمِ یار سے اس بار
بھاگے ہیں سب ہرن بیاباں کو

جب نہ دیکھوں میں اپنا گل رخسار
خار جانوں میں تب گلستاں کو

در ہوا سینۂ صدف میں نہاں
دیکھ کر اس کے دُرِّ دنداں کو

اے گدا مورِ عشق نے سمجھا
اپنے رتبے سے کم سلیماں کو

بغل میں جب نہ ہو دلبر تو پھر کیا ذوق جینے کا
نہ ہو مجلس میں جب ساقی تو کیا حظمے کے پینے کا

ہوا ہے دستِ غم سے پارہ پارہ تیرے ہجراں میں
رفو ہو گا بھلا کیوں کر یہ میرا چاک سینے کا

ستارہ چاند کے اوپر ہے یا شبنم ہے لالے پر
نہیں ، تیری جبیں پر ہے یہ اک قطرہ پسینے کا

نہیں اس کے سوا کچھ فخر مجھ کو ہر دو عالم میں
کہ ہوں میں خاکِ پا آلِ شہنشاہِ مدینے کا

گدا صبح و مسا سائل ہے شاہا ! آپ کے در پر
سنو اے منبعِ احساں ! سوال اپنے کمینے کا

جو روئے درخشاں میں ترے تاب ہے واللہ
مہتاب ہے ، مہتاب ہے ، مہتاب ہے واللہ

آگے ترے دانتوں کے صنم لؤلوے لالا
بے آب ہے ، بے آب ہے ، بے آب ہے واللہ

ہر وقت ہے مایوس ترے ہجر میں ہر رات
بے خواب ہے ، بے خواب ہے ، بے خواب ہے واللہ

سیماب سے بڑھ کر تری فرقت میں مرا دل
بے تاب ہے ، بے تاب ہے ، بے تاب ہے واللہ

تیرے بیمارِ محبت میں رہی ہے نہ رمق
آئیے آئیے یہ وقتِ مسیحائی ہے

میں کیا کروں گا مجھ کو ملے گا جو ایک گھونٹ
ساقی مجھے ہے ساغرِ سرشار سے غرض

ہجر میں جس سرو قد کے میں ہوں بے تاب و تواں
یا الٰہی ! کب وہ ہوگا مجھ سے آ کر ہم کنار
ساقیٔ کوثر ، امیرالمومنین ، شیرِ خدا
جام کوثر کا پلائے گا مجھے روزِ شمار
رات دن ہوں اے **گدا** اس سرو قد کے ہجر میں
اشک بار و دل فگار و داغ دار و بےقرار

کون ہے جو تری چشم کا بیمار نہیں
یا تری زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں
یا رسولِ عربی ، شاہِ اُمم ! تیرے سوا
کوئی اس عاجز و بیکس کا مددگار نہیں
منع کرتا ہے مجھے عشقِ بتاں سے زاہد
کیا کہوں اُس کو کہ وہ واقفِ اسرار نہیں
اس زمانے میں جو دانا ہے وہی ہے حیراں
عیش و عشرت ہے اُسے جو کوئی ہشیار نہیں

نرگسِ چشم سے کر ایک نظر ، اے دلبر !
کردے اچھا تو نظر کر کے یہ بیمار اپنا
بیوقوفوں کو تو ہے نعمتِ الوان حاصل
خونِ دل پیتے ہیں غم کھاتے ہیں ہشیار اپنا

ہوئے ہو آج جو تم اس قدر خفا ہم سے
بتاؤ کون سی ایسی ہوئی خطا ہم سے
اُمیدوارِ عنایاتِ خسروی ہے گدا
کرم سے کیجیے وعدے کو اب وفا ہم سے

جس سے نیکی کروں ، بدی وہ کرے
یہ عجب طرح کا زمانہ ہے

نہ مجھے حور نے مارا ، نہ پری نے مارا
ہاں مگر یار کی ہے کم نظری نے مارا
دو قدم ناز سے چل کر اُسے پامال کرو
دمِ رفتار جو ہے کبکِ دری نے مارا
دین و دنیا و دل و جان و قرار و آرام
لے کے کہتے ہو تجھے کیسی پری نے مارا
اُڑ کے اس باغ کی ہم بھی تو کبھی کرتے سیر
کیا کہیں ، ہم کو ہے بے بال و پری نے مارا

قطعہ

وہ جس محفل میں کل مستوں کا برپا شور اور غل تھا
عجب تھا دور ساغر کا ، عجب مینا کا قلقل تھا
وہاں دیکھا جو میں نے آج ، اک گردش سے گردوں کے
نہ وہ مجلس ، نہ وہ ساقی ، نہ ویسا کچھ تجمّل تھا

غلام مرتضیٰ شاہ مرتضائی

(۱۲۵۵ھ ؟ — ۱۳۲۳ھ ؟)

غلام مرتضیٰ شاہ بن روشن علی شاہ ، ٹھٹہ میں پیدا ہوئے ۔ 'رضوی' سادات کے خاندان میں سے تھے ۔ ان کے جدِ امجد سیّد میاں محمد یوسف ، بکھر سے منتقل ہو کر ٹھٹہ میں سکونت پذیر ہوئے ۔ چونکہ آپ سیّد محمد جونپوری کے معتقدین میں سے تھے اس لیے ان کا خاندان 'رضوی مہدوی' کے نام سے مشہور ہوا ۔

غلام مرتضیٰ شاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی خاندان کے ایک شاعر اور مدرّس سیّد امام بخش 'فدوی' سے حاصل کی تھی جو سندھی اور فارسی زبان کے شاعر تھے ۔ خود ان کے والد سیّد روشن علی شاہ 'روشن' بھی فارسی زبان کے اچھےشاعر تھے، لہٰذا غلام مرتضیٰ شاہ کو بچپن سے ہی ادبی اور علمی ماحول میسّر ہوا ۔ وہ اپنے اُستاد 'فدوی' کی صحبت میں شعر کہنے لگے اور 'مرتضائی' تخلص اختیار کیا ۔ خود کو 'مرتضائی مہدوی ٹھٹوی' لکھتے تھے ۔

'مرتضائی' کا سندھی نظم میں کافی ذخیرہ موجود ہے ۔ مثلاً 'شاہنامۂ فردوسی' (کچھ حصے) ، 'مثنوی یوسف زلیخا' ، فارسی کتاب 'انوار الہدیٰ' (؟) کا ترجمہ ، 'طوطی نامہ' ، 'کریما نیچری' اور

'دیوانِ مرتضائی' -

سنہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ع کے لگ بھگ ٹھٹہ میں وفات پائی اور کوہ مکلی کے اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے -

غلام مرتضٰی شاہ مرتضائی ، میر عبدالحسین خان سانگی ، غلام محمد شاہ گدا ، محمد فضل ماتم اور مرزا قلیچ بیگ قلیچ وغیرہ ایک ہی گروہ کے ہم عصر شاعر تھے - 'مرتضائی' نے اپنے سندھی کلام میں ساٹھ کے قریب ہم عصر شعرا کا ذکر کیا ہے - ٹنڈہ محمد خان کے میر اللہ بخش خان شاہوانی ٹالپور المتخلص بہ 'معروف' مرتضائی کے خاص ممدوح تھے -

مرتضائی سندھی کے بلند پایہ غزل گو شاعروں میں سے تھے - گذشتہ روایت کے مطابق انھوں نے فارسی میں بھی شعر کہے ، اور ان کی فارسی غزلیں ''دیوانِ مرتضائی'' (قلمی) کے آخر میں موجود ہیں - مگر پھر مرتضائی نے عمداً اور ارادتاً فارسی کو چھوڑ کر سندھی میں شاعری کی اور خوب کی - بعد میں فارسی کے بجائے وہ آردو کی طرف متوجہ ہوئے - خود کہتے ہیں :

مرتضائی سندھ میں مشہور ہے تیرا کلام
اب تو آردو میں کہا کر ، ہو غزلخوان یار کا

ان کا نمونہ' کلام درجِ ذیل ہے :

آہ میرے دل سے گذرا نوکِ پیکان یار کا
ہے کیا خلقت کو خستہ تیرِ مژگاں یار کا
صد قیامت عاشقوں پر عکسِ قامت دیکھ کر
رخنہ زن اسلام میں زلفِ پریشان یار کا
لیلۃ القدر اب یقیں ہے وصل کی شب آئی ہے
گیسوے مشکیں ہوا ہے عطرافشان یار کا

مرتضائی سندھ میں مشہور ہے تیرا کلام
اب تو آردو میں کہا کر ، ہو غزلخواں یار کا

محفل سے میرے تم ہو گریزاں کیا سبب ؟
پھرتے ہو مدّعی سے گلستاں کیا سبب ؟
لیلٰی اگر نہ چہرہ صداقت سے دیکھتی
مجنوں رکھا ہے رو بہ بیاباں کیا سبب ؟
دیکھا اگر نہ ناز زلیخائی حسن کا
یوسف رہا ذلیل بہ زنداں کیا سبب ؟

بہارِ حسن کے بستاں کا گل حسیں ہے صنم
کہ جس کے ہجر میں ہے داغدار گل لالہ
عجب ہے لذت غبغب کے چوسنے سے مجھے
کہ جیسے کھانا ملّذذ خروس و بزغالہ
ندائے غیب سنا **مرتضائی** حیدر سے
ترا قبول ہے حضرت میں شیون و نالہ

۴۸

میر محمد حسن علی خان حسن

(۱۲۴۰ھ — ۱۳۲۴ھ)

'سرکارِ رفعت مدار' میر محمد حسن علی خان 'حسن' بن میر محمد نصیر خان ٹالپور والئی سندھ ۲۶ ذیقعد سنہ ۱۲۴۰ھ کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۵۹ھ میں گرفتار ہوکر قیدِ فرنگ میں کلکتے میں نظربند رہے۔ سنہ ۸۰-۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ع میں وہاں سے رہا ہوکر حیدرآباد پہنچے۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۷ع کو حیدرآباد میں فوت ہوئے اور ۱۳۳۰ھ میں کربلائے معلٰی میں دفن ہوئے۔

میر محمد حسن علی خان ایک عالم و فاضل شخص تھے۔ مناظرے میں ان کو خاص دسترس تھی۔ پادری 'فانڈر' کی کتاب ''میزان الحق'' کے جواب میں فارسی نثر میں ''لسان الحق'' لکھی جو ۱۳۵۸ھ میں مطبعِ سلطانی لاہور میں چھپی۔ 'رؤیائے صادقہ' فارسی نثر و نظم میں لکھی۔ قصائد، مراثی اور مناجات کو دیوان کی صورت میں مرتب کیا۔ 'مختار نامہ'، 'نہرالبکاء' اور 'فتح نامہ' سندھ، (مثنوی) سندھی میں نظم کیں۔ کتاب 'حملہ' حیدری' سندھی نثر میں لکھی۔

کلکتے میں رہے تو اردو کا ذوق پیدا ہوا ۔ اردو نثر اور نظم میں دسترس پیدا کی ۔ پادری عمادالدین پانی پتی کے رسالے 'تحقیق الایمان' کے جواب میں اردو نثر میں 'احسان البیان' لکھی ۔ سندھی ، فارسی اور اردو میں شاعری کی ۔ 'حسن' تخلص کرتے تھے ۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو[1] :

یا شاہ ! تمھیں ساقیِ کوثر نہ کہوں کیوں
لاریب تمھیں حجّتِ داور نہ کہوں کیوں
اور احمدِ مرسل کا برادر نہ کہوں کیوں
خالق کا تمھیں شیرِ غضنفر نہ کہوں کیوں
مولٰی میں تمھیں نفسِ پیمبر نہ کہوں کیوں

قبضے میں ترے ہوتی نہ جو تیغِ دو پیکر
اللہ کو سمجھتا نہ کوئی مطلق قادر
نہ سرورِ عالم کو کوئی کہتا پیمبر
شمشیرِ دو سر ہوئی تری خلق کی رہبر
اس حال میں مولٰی کو میں رہبر نہ کہوں کیوں

یاں شجرِ شرافت کے جو گوہر ہیں تو دو ہیں
دریائے شجاعت کے شناور ہیں تو دو ہیں
اسرار امامت کے جو دفتر ہیں تو دو ہیں
ہاں تیغِ دو پیکر کے جو جوہر ہیں تو دو ہیں
خاتونِ قیامت کے جواہر ہیں تو دو ہیں

۱۔ از بیاض مرحوم مرزا گل حسن 'احسن' کربلائی ۔

یہ دونوں تو ہیں لختِ دلِ صاحبِ معراج
بے شبہہ یہی خلقِ دوعالم کے ہیں سرتاج
شاہانِ جہاں ان کے غلاموں کے ہیں محتاج
ان دونوں سے تو کفر کی بستی ہوئی تاراج
اسلام کی کشتی کے جو لنگر ہیں تو دو ہیں

یا شاہ! حسنؔ خادمِ دیرینہ تمہارا
جو کہتا ہے سو دیکھتے ہو، سنتے ہو سارا
آزادی کا اس عبد کو کر دیجے اشارا
للہ چھڑاؤ مجھے دوزخ سے خدا را
بے شبہہ اگر شافعِ محشر ہیں تو دو ہیں

☆ ☆ ☆

۴۹

میرزا قاسم علی بیگ قاسم

(۱۲۵۳ھ — ۱۳۲۴ھ)

میرزا قاسم علی بیگ ولد میرزا فتح علی بیگ ، محلہ ٹنڈہ آغا ، شہر حیدرآباد میں ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ع میں پیدا ہوئے ۔ اعلیٰ تعلیم پائی ۔ طب میں خاص مہارت رکھتے تھے ۔ میر محمد حسن علی خان کی مجالسِ عزا کے مرثیہ خواں تھے ۔ آواز میں اثر تھا اور مرثیہ خوانی میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا ۔ سنہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ع میں حیدرآباد میں وفات پائی ۔

میرزا قاسم علی بیگ شاعر ابن شاعر تھے ۔ 'قاسم' تخلص کرتے تھے ۔ میر محمد حسن علی خان 'حسن' کے درباری شاعر تھے ۔ سندھی اور اردو میں ان کا کلام سلام ، مراثی ، مناقب ، قصائد ، غزلیات اور رباعیات پر مشتمل موجود ہے اور ان کے خاندان میں محفوظ ہے ۔ قاسم کی دو غزلیں ملاحظہ ہوں :

مقتل میں کامیاب ہر اک اس کا وار ہے
جس زخمِ دل کو دیکھتا ہوں ، شاہکار ہے
نظریں ملاکے مجھ کو نہ یوں دیکھ بار بار
کب دل پہ مجھ کو اتنا بھلا اختیار ہے

دم بھر کی زندگی پہ جناب اتنی سرکشی
کیا اپنی زندگی کا تجھے اعتبار ہے؟
محلوں میں رہنے والے، فنا کو نہ بھول جا
جب کاخ کو اُلٹ دیا، خاک مزار ہے
ہے استوار عہدِ محبت مگر حضور
یہ عمرِ مستعار تو ناپائدار ہے
ان کو تلاش میری لحد کی ہے آج کل
شاید نشانِ قبر مرا ناگوار ہے
آہ و فغاں سے میرے یہ قاسم اثر ہوا
شعلہ فشاں زمین و فلک اشک بار ہے

فریبِ محبت کو سچا بنا دے
دل اس کو بھی اللہ درد آشنا دے
بنے شاخِ طوبیٰ مرا آشیانہ
مجھے بال و پر دے تو ایسے خدا دے
میں عاجز نہیں تیرے نخوت سے لیکن
مرے دل کو کچھ تو مگر آسرا دے
نہ گھبرا جفاؤں سے تو اس کی اے دل
بنے جس طرح، اپنی اُلفت جتا دے
مجھے جام دے ایک مست انکھڑیوں سے
مجھے اپنی آنکھوں سے ساقی پلا دے
اُنھیں اپنے غم کا بیاں آج قاسم
برستے ہوئے آنسوؤں سے سنا دے

☆ ☆ ☆

۵۰

سوبھا فقیر لغاری

(۱۲۳۵ھ؟ — ۱۳۲۵ھ)

سوبھا فقیر بن احمد لغاری کی ولادت ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ع کے لگ بھگ 'داؤد والا' گاؤں میں ہوئی جو ضلع سکھر کے شہر 'ڈہرکی' سے ۲۵ میل شمال کی طرف واقع ہے۔ بعد میں 'سوبھا فقیر' کا خاندان منتقل ہو کر گاؤں 'داد لغاری' (تعلقہ میرپور ماتھیلہ، ضلع سکھر) میں آ کر سکونت پذیر ہوا۔ ابتدائی تعلیم فارسی میں 'گلستان' 'بوستان' تک حاصل کی۔ پھر وہ حضرت پیر صاحب السیر محکم الدین سیلانی کے سجادہ نشین پیر محمد عارف کے مرید ہوئے۔ مجلسِ سماع کو پسند کرتے تھے۔ خود بھی گاتے تھے اور آپ کے گانے میں حیرت انگیز اثر تھا کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے۔ مجلسِ سماع کو عبادت سمجھتے تھے اور سماع کے وقت گریہ کرتے تھے۔

عمر بھر شادی نہ کی اور خود کو عبادت و خدمتِ خلق کے لیے وقف کر دیا۔ نوے برس کی عمر میں بتاریخ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ع اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ آپ کا مزار 'گوٹھ عالمانی' (شہر میرپور ماتھیلہ سے ۱۶ میل جنوب مشرق کی طرف) میں مرجعِ عوام ہے۔

سوبھا فقیر کا مجموعہ کلام ''دیوانِ دردِ عشق'' کے نام سے چھپ چکا ہے، جس میں ان کی سندھی اور سرائیکی 'کافیاں' اور دوسری نظمیں شامل ہیں۔ سرائیکی 'کافیوں' کے بعض مطلعے اور مصرعے اُردو میں ہیں۔ مثلاً:

سدا دل یاد پنجتن ہے، علی ہادی ہمارا ہے

سوبھا عشق جنھیں سر[1] آیا، سمجھو ساجن پاوے گا

عارف سر سلطان، انگن میرے آیا

مندرجہ ذیل 'کافی' میں نظیر اکبر آبادی کے مشہور مطلع کو 'کافی' کے 'تھلھ' (مطلع) کے طور پر تضمین کیا ہے:

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

۱۔ سب رمزے غمزے چل گئے رٹھرے، راجل کون رجھاوے گا

۲۔ آوت جاوت چل گئے راگت، بینت کون بجاوے گا

۳۔ دھانت خیانت، چل گئی امالت، **سوبھل** کون سڈاوے گا

☆ ☆ ☆

۱۔ جنھیں سر = جن کے سر پر۔

۵۱

میاں جی محمد صالح خاکی

(۱۳ صدی کا نصفِ آخر تا اوائل ۱۴ صدی)

میاں جی محمد صالح ، شہر 'مانجھو' کے میرزا صاحبان کے خدمت گار تھے ۔ سندھی ، فارسی اور اردو میں شاعری کی ۔ وہ 'خاکی' تخلص کرتے تھے ۔ میرزا بندہ علی بیگ (المتوفی ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ع) اور ان کے فرزند میرزا عباس علی بیگ (المتوفی ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ع) اردو کے اچھے شاعر تھے ۔ میاں جی محمد صالح ، میرزا عباس علی بیگ کے مصاحب تھے ۔ ان کا ایک دلچسپ قطعہ ملاحظہ ہو :

قطعہ

آج گھر کو گیا میں دلبر کے
تھا کھڑا اپنے در اُپر گھر کے
میں نے پکڑا بغل میں ، تب وہ کہا
چھوڑ صالح ، بنام پرور کے

☆ ☆ ☆

۵۲

نواب نظر علی خان لغاری

(۱۲۸۰ھ؟ — ۱۳۳۳ھ؟)

نظر علی خان، وزیرِ اعظم نواب ولی محمد خان لغاری کے بھتیجے اور نواب غلام محمد خان کے چھوٹے فرزند تھے - غلام محمد خان فارسی زبان کے اچھے شاعر تھے اور وہ 'غلام' تخلص کرتے تھے - ''دیوانِ غلام'' بطورِ یادگار موجود ہے[1] - نظر علی خان فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حکومتِ برطانیہ کے دور میں آب پاشی کے محکمے میں داخل ہوئے اور قصبہ 'بدین' میں تعینات ہوئے - اسی اثنا میں ان کو ''لواری کے بزرگوں'' سے عقیدت ہو گئی -

کچھ عرصے کے بعد وہ ملازمت کو خیرباد کہہ کے اپنے گاؤں 'تاج پور' آ کر رہے - وہاں سے سیر و سفر کے لیے راولپنڈی گئے - بالآخر حصولِ تعلیم کی خاطر سب تعلقات قطع کر کے اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہا اور رنگون جا پہنچے - وہاں پر خود کو 'عبداللہ' کہلوایا - رنگون میں دینی علوم کی تحصیل کے بعد ان کی دستاربندی

۱- ''دیوانِ غلام'' (فارسی) بندۂ راقم کی تصحیح کے ساتھ، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے -

ہوئی اور وہاں سے حج کو چلے گئے ۔ حج کے بعد واپس رنگون آئے اور پھر سے حرمین شریفین کو چلے گئے جہاں سے اردو میں ایک خط لکھا کہ : ”میں اب پیرسن ہوگیا ہوں اور میری سکونت مدینہ شریف میں ہے ۔“ اس کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ منقطع ہوگیا ۔ غالباً مدینہ شریف ہی میں وفات پائی ۔

سندھی میں ان کا کلام موجود ہے ۔ اردو میں بھی شعر کہتے تھے ۔ رنگون سے اردو میں ایک منظوم خط لکھا ، جس کے یہ اشعار بطور یادگار باقی رہ گئے ہیں :[1]

فتح خیبر کیا لاریب جس نے
پہلوان وہ علی حیدر دکھا دے
دکھا ہمشیرہ زادہ تینوں مجھ کو
اور ان کی آبرو بہتر دکھا دے

۱- یہ حالات ان کے بھتیجے نواب عرض محمد خاں (ولادت ۱۳۱۰ھ) کی زبانی قلمبند کیے گئے ہیں ۔

۵۳

قطب شاہ جہانیاں پوٹہ

(۱۲۲۹ھ — ۱۳۲۸ھ)

قطب الدین شاہ بن فتح الدین شاہ، ۱۶ رمضان ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ع کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ والد کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی۔ جوانی میں زہد اور عبادت میں مشغول ہوگئے اور فقیری اختیار کرلی۔ والد کی وفات پر ان کے سجادہ نشین ہوئے اور ۹۹ سال کی بڑی عمر میں ۱۶ ذی‌الحجہ سنہ ۱۳۲۸ھ (۲۲ دسمبر ۱۹۱۰ع) کو وفات پائی اور 'ٹنڈو جہانیاں' (حیدرآباد) میں دفن ہوئے جہاں پر ان کا مزار مرجعِ عوام ہے۔

ان کا کلام سندھی 'بیتوں' اور 'کافیوں' پر مشتمل ہے۔ سندھ کے 'کافی گو' شاعروں میں قطب کا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی تین 'کافیاں' اور ایک 'شبد' ہندی آمیز اردو میں منظوم ہوئی ہیں، حالانکہ ان میں بعض فقرے سندھی کے بھی موجود ہیں۔ ان کا اس قسم کا کلام خاصا زیادہ تھا مگر محفوظ نہیں رہا۔ ان کی ایک 'کافی' کا محض 'تھلھ' (مطلع) یاد رہ گیا ہے:

ہنـــدو زوراور زوری　　کیوں لـوٹی ہے دل موری

باقی 'کافیوں' کا رنگ یہ ہے:

کافی

ستگور ایسا پریم لگایا ہے

پریم لگتے اکھیاں کھلیاں ، ہر جا درسن پایا ہے

۱- ستگور ایسی طاق[1] کھولی ، بسر گئی ہے بی[2] سبھ بولی
ہر جا 'ھو' 'ھو' پایا ہے

۲- ستگور ایسی کنجی پھیری ، بسر گئی ہے 'تیری' 'میری'
ہِکو[3] نام سمایا ہے

۳- ستگور ایسی کنجی لائی ، 'نام' بنا گئی بسر سبھائی
ہر جائے حق سمایا ہے

۴- 'قطب' کیتا[4] 'لا' جگ سارا ، باقی رہ گیا 'نام' نیارا
اِہا[5] ستگور رمز رلائی ہے

کافی 'سر رامکلی

ایک 'نام' سے کام رے بھائی ، اور کام سبھ جھوٹا رے

۱- پیتی بھیتر امول دانہ ، 'نام' بنا سبھ پھوٹا رے

۲- من لہ المولی فلہ الکل ، سخن سچے کا چھوٹا رے

۳- 'قطب' اپنا آپ پہچانا ، گھر 'ہونے'[6] کا لوٹا رے

۱- طاق = دریچہ - ۲- بی = دوسری - ۳- ہِکو = ایک ہی -
۴- کیتا = کیا (یعنی پورے عالم کو نفی کردیا) -
۵- اِہا = یہ - ٦- ہونے کا = ہستی کا -

کافی سُر بھیرو

بھورا من ! ایسو اوگن کیو ، نام صاحب کا مول نہ لیو

۱۔ در درونی چت نہ لائے ، اپنو آپے آپ گنوائے
وقت اجایو ویو[1]

۲۔ نام بنا گئی عمر اجائی ، سمجھ تو من سرت نہ لائی
در در بھٹکن پیو[2]

شبد

ستگور ایسی بھگتی لائی ہے
جس نے لوں لوں نام دھیائی ہے
نابھ کنول کوں نام اٹھایا   کنٹھ کنول میں پانی لایا
بھنور غفا میں منزل پائی ہے

☆ ☆ ☆

۱۔ وقت رائیگاں گیا ۔ ۲۔ در در بھٹکنا پڑا ۔

۵۴

پیر کمال الدین کمال

(۱۲۹۴ھ – ۱۳۲۸ھ)

پیر کمال الدین ، نوشہرہ فیروز (ضلع نواب شاہ) میں سنہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ع میں پیدا ہوئے۔ سندھی ، انگریزی اور فارسی زبان کی ابتدائی تعلیم کے بعد شہر کے مولوی فضل محمد صاحب سے دینی تعلیم حاصل کی۔ موسیقی سے خاص شغف تھا۔ ہر جمعرات کو آن کے یہاں فقیرانہ شغل ہوتا تھا جس میں یکتارہ اور ڈھولک پر 'کافیاں' گائی جاتی تھیں ، اور وہ خود بھی گاتے تھے۔ حضرت مخدوم نوح (ہالا) کی درگاہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۳۲۸ھ/ جون ۱۹۱۰ع میں وفات پائی اور نوشہرہ فیروز میں دفن ہوئے۔

پیر کمال الدین ایک فقیر صوفی منش تھے۔ آنھوں نے سندھی اور سرائیکی میں 'کافیاں' ، 'ابیات' اور 'سی حرفیاں' کہی ہیں جن میں اپنا نام 'کمال' لائے ہیں۔ ان کے مجموعۂ کلام کا ایک قلمی نسخہ جو خود ان کا اپنا نسخہ تھا ، اس وقت راقم کے پاس موجود ہے ، جس میں بعض 'کافیوں' کے مطلعے یا مصرعے آردو میں ہیں۔ مثلاً :

جب تک اپنا آپ نہ جانے   بازی بِرہ بناوے کیوں

وہ واہ سجن تیری چالی
خوش خیال عجائب عالی

کمال کرکے سر قربانی ، عشق اڈی پر آوے گا

مندرجہ ذیل پوری کافیاں اردو میں ہیں :

کافی

روز و شب مجھ کو تمھاری یادگیری اے صنم
نام تیرا ہے وظیفہ ورد شیری اے صنم
کچھ مجھے پروا نہیں ، لیکن ترے دیدار کی
حال میرا عشق تیرے میں زہیری اے صنم
نیم بسمل ہو کے کھاتے ہوں 'بلاٹی'[1] دربدر
عشق کشتہ کی کرو تم دستگیری اے صنم
ہے خدا تیرا ثناگو 'والضحیٰ' 'واللیل' میں
'یٰسین' میں تعریف تیری دلپذیری اے صنم

کافی

وہ واہ تماشا لائیا ، آدم بنا کے دم کا
بیرنگ میں رنگ چھپائیا ، کر کے اولا[2] اسم کا

۱۔ بلاٹی = چکر۔ ۲۔ اولا = پردہ۔

۱۔ احدؤں[1] بنا کے احمد ، پھر میم بن محمد
'لولاک'[2] چھتر جھلائیا ، مالک عرب عجم کا
۲۔ ایسا کمال کرنا ، مرنے سے آگے مرنا
پیرِ مغاں پلائیا ، وحدت سے جامِ جم کا

☆ ☆ ☆

۱۔ احدؤں = 'احد' میں سے۔
۲۔ 'لولاک' چھتر جھلائیا = 'لولاک لما خلقت الافلاک' کا تاج پہنایا۔

۵۵

میرزا عباس علی بیگ علی

(المتوفی ۱۳۲۹ھ)

میرزا عباس علی بیگ ، قصبہ 'مانجھو' (ضلع دادو) کے میرزاؤں کے خاندان میں سے تھے - میرزا باقر گرجی (جو دراصل جارجیا کے شہر تفلس کے ایک خاندان میں سے تھے) ان کے دادا تھے - میرزا باقر کے بڑے فرزند میرزا بندہ علی بیگ فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے - انھوں نے سندھی اور اردو میں بھی شاعری کی - میرزا عباس علی بیگ ، میرزا بندہ علی بیگ کے بڑے صاحب زادے تھے - انگریزوں کے دور میں 'مختار کاری' کے عہدے پر فائز ہوئے - میرزا عباس علی بیگ نے فارسی ، سندھی اور اردو میں شاعری کی - 'علی' تخلص کرتے تھے - ایک بیاض[1] جس میں 'میرزایانِ مانجھو' کے شعرا کا کلام قلمبند تھا ، راقم کی نظر سے گذری - اس میں میرزا عباس علی بیگ 'علی' کا اردو کلام بھی موجود ہے ، جہاں سے یہ انتخاب پیش کیا جاتا ہے :

۱- یہ بیاض جناب محترم میرزا اسد بیگ (بن مرحوم میرزا قلیچ بیگ) کی وساطت سے حاصل ہوئی -

خیالِ یار کو آنے کا شوق آج ہوا!
جو آج دل کو مرے سخت اختلاج ہوا
ارے طبیب تو میرے سرہانے سے اُٹھ جا
مریضِ عشق کا اب درد لاعلاج ہوا

آہ ! افسوس کہ کاغذ کو لگیں تیرے ہاتھ
میں تو حسرت میں یہاں ہاتھ کو ملتا ہی رہا

اب جان اپنی یہ تو جلاؤں گا یارِ بن
اس زندگی کو زہر پلاؤں گا یارِ بن
صدمے اٹھاؤں سر پہ میں کب تک صنم سوا
اک روز جان اپنی کھپاؤں گا یارِ بن
یہ حالِ دل حزین کا جو ہجر میں ہوا
کس کو عزیزو ! آہ سناؤں گا یارِ بن
گرچہ مسیحا عرش سے آوے اُتر ابھی
یہ زخم دل کا میں نہ دکھاؤں گا یارِ بن
اُمید پر وصال کے یک بار موت کو
فوجِ فراق لے کے پھراؤں گا یارِ بن
بے یار زندگی کا علی کچھ مزا نہیں
اب خرمنِ حیات اُڑاؤں گا یارِ بن

قاصدا ! کیوں نہیں لاتا مرے دلبر کی خبر
نازنیں ، مہر جبیں ، ماہِ منوّر کی خبر

پیچ میں زلفوں کے جس نے کیا پابند مجھے
بہر للہ مجھے لا دے اسی اژدر کی خبر

اے صبا تجھ کو تو تصریح کوئی ہووے جو کر
لا کے دیتا ہے اسی زلفِ معطّر کی خبر

جس کو اصنامِ جہاں کرتے ہیں سجدہ ہر دم
دے دو شفقت سے مجھے اس بتِ آزر کی خبر

کیوں نہ محفل وہ منور ہو مرے مہ پارے
جہاں پڑ جاوے ترے اس رخِ انور کی خبر

دل مرا دائر ہوتا ہے دیوانوں کی طرح
یاں آتی ہے جو اس جامِ مدوّر کی خبر

گر مرے پاس نہ آتا ہے تو اب اس کے حضور
قاصدا کہہ تو علی عاجز و کمتر کی خبر

کہاں تھا ، کہاں ہائے آیا ہوں میں
جدائی کا صدمہ اٹھایا ہوں میں

عزیز اور بیگانوں کا بس نہیں
یہ گردش فلک کا ستایا ہوں میں

نہیں ہوں میں جوگی ، نہ ہوں جنتری
برہ سے بیراگی بنایا ہوں میں

ابھی مجھ پہ کچھ بھید وا ہو گیا ہے
کہ یہ دردِ دل بے دوا ہو گیا ہے

صبا جا کے میرے مسیحا کو کہہ دو
کہ بیمار کا حال کیا ہو گیا ہے

جدائی میں اب تیری تابش کے غم سے
بدن میرا جوں کہربا ہو گیا ہے

حفاظت ہو نامِ خدا میری پیارے
کہیں گے کہ کیوں کر خفا ہو گیا ہے

پیاسا ہوں میں تیرے بوسے کا ظالم
جہاں مجھ پہ جوں کربلا ہو گیا ہے

خدا جانے کیا ہوگا احوال میرا
کہ وہ میرا جانی جدا ہو گیا ہے

کہے خلق تیری ظرافت کو ہنس کر
بھلا ہو کے آخر برا ہو گیا ہے

چھپا مت رقیبوں سے تو راز میرا
کہ یہ خود بخود برملا ہو گیا ہے

کہا مجھ کو پیرِ طریقت نے آخر
علی تیرا مشکل کشا ہو گیا ہے

☆ ☆ ☆

۵٦

نواب فقیر ولی محمد خان لغاری

(۱۲۵۲ھ — ۱۳۳۲ھ)

ولی محمد خان بن نواب احمد خان بن وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری ، میر نور محمد خان ٹالپور اور میر نصیر خان ٹالپور کے عہد میں سنہ ۱۲۵۲ھ/۱۸۳٦ع میں حیدرآباد شہر کے محلہ 'ٹنڈہ ولی محمد'[1] میں پیدا ہوئے ۔

سنہ ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ع میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو نواب احمد خان لغاری اپنے دو صاحب زادوں ولی محمد خان اور بخش علی خان کو لے کر میر شیر محمد خان ٹالپور کے ساتھ پنجاب چلے گئے ۔ وہاں سے ۱۸۴۷ع کے لگ بھگ واپس آئے اور موجودہ 'تعلقہ سکرنڈ' میں اپنی جاگیر 'مرزان پور' میں رہائش اختیار کی ۔ اُس وقت ولی محمد خان کی عمر گیارہ سال تھی ۔ مرزان پور کی جاگیر میں رہائش کے بعد ولی محمد خان کی تعلیم و تربیت شہر سیوہن کے آخوند میاں غلام محمد اور آخوند میاں محمد صادق کے حوالے ہوئی ۔ وہاں انھوں نے فارسی کی اچھی تعلیم حاصل کرلی اور کچھ عربی بھی پڑھی ۔ اپنے

۱۔ وزیر اعظم نواب ولی محمد خان کا 'ٹنڈہ' اصل میں موجودہ کچہری سے مغرب کی طرف والی کنٹونمنٹ اراضی میں آباد تھا ۔

والد کی ترغیب پر اُنھوں نے طریقت کی تلقین جھوک عرف میراں پور کے سجادہ نشین صوفی ابراہیم شاہ[1] سے حاصل کی اور تصوف اور فقیری کی طرف مائل ہوگئے -

سنہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ع میں آپ نے 'مرزاں پور' جاگیر سے ہجرت کر کے 'تاج پور' میں مستقل رہائش اختیار کی - وہ صوم و صلواۃ کے پابند تھے - ریاضتیں اور عبادتیں بھی کیں - اپنے چچا محمد خاں کی وفات کے بعد ۴۵ سال کی عمر میں فقیری کا 'مرصّع تاج' پہنا - اسّی (۸۰) سال کی عمر میں ۱۴ رمضان سنہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ع کو وفات پائی اور تاجپور میں دفن ہوئے - ان کے مزار پر اب تک ہر سال میلہ ہوتا ہے -

نواب فقیر ولی محمد کو شاعری کا شوق جوانی میں اُس وقت پیدا ہوا جب وہ فقیری کی طرف مائل ہوئے - موسیقی سے بھی شغف تھا اور خود ستار بجاتے تھے - سندھی ، سرائیکی ، فارسی اور اُردو میں ان کا کلام موجود ہے[2] جس پر صوفیانہ رنگ غالب ہے - فقیر ولی محمد خاں 'کافی گو' شاعر تھے اور ان کا اُردو کلام 'کافیوں' پر مشتمل ہے ، جس پر موزوں غزلوں کا گمان ہوتا ہے - ان کے مجموعۂ کلام میں اسی قسم کی ۱۴ اُردو 'کافیاں' اور ایک شبد شامل ہے - کلام سے انتخاب درجِ ذیل ہے :

پیالہ مجھ دیا صوفی شرابِ بے حجابی کا
ہویا دیدار دل اندر صنم کے سابتابی کا
حسن کا جب دیکھا دفتر ، عقل گم ہوگیا ابتر
تھیا ظلمات سے ظاہر ، شعاعِ آفتابی کا

۱- المتخلص بہ 'فقیر' - ملاحظہ ہوں گذشتہ صفحات ۱۱۱ - ۱۱۲ -
۲- بندۂ راقم نے اُسے مرتّب کیا ہے اور سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے -

قلب کی سیر کرتے ہوں صورت کے سنگ پھرتے ہوں
مثل نرگس کے کرتے ہوں نظارہ نیم خوابی کا
ولی محمد نہ رہ غـافل ، دنیا کا عیش عشرت کل
اسی کو چھوڑ دے بالکل ، خسارہ ہے خرابی کا

دیا ساقی مجھے پیـالہ ، آتر گیـا وہم ہستی کا
سارا اسرار ہم دیکھا ، عجب صورت پرستی کا
مثل مہتاب تھا روشن ، حقیقت کا کھلیا گلشن
حسن کا ہوگیا درشن ، ہٹا شک دل شکستی کا
'سرسی' کے سیر میں جا کر ، حسن کا جب دیکھا دفتر
وسر گیا خیـال مجھ دل پر ، ہوس کی بندوبستی کا
دنیا کے دور کی لذت ، کہ جس کا ہے لقب ذلّت
روا آس کی نہیں ملّت ، مـکاں ہے تنگ دستی کا
مشاخی چھوڑ دے بالکل ، رندی کے رمز سے رل مل
اوپر گل ہو مثل بلبل ، نہ کھا غم شب گذشتی کا
اسی منزل میں ہر عاشق ، کبھی پُرجوش کبھی سالک
کبھی وہ عبـد کبھی مالک ، کبھی سربـار ہستی کا
عجائب بیخودی کا دم ، جسی میں نئیں دنیا کا غم
درونی دل انـدر تھا گم ، خسارا ابوالہوستی کا
ہمن ہوں عشق کے طالب ، جو ہے کلّی اوپر غالب
کہوں میں کیا کسے بالب ، ہے مالک سرنوشتی کا
ولی محمد نہ کس کو کہہ ، طریقت کے کفر میں رہ
صوفی کی رمز سے وہ وہ ، ہوا مطلب الستی کا

اے دل وصال کا دم مجھ پر جشن جشن
گلزار معنوی کا کھلیا چمن چمن
ذاتی سوں ذات مل گئی ثابت ہوا اسم
مورت کی خاک خاک میں ہو گئی دفن دفن
صورت کا نقش عاشق رکھتے ہیں دل اندر میں
معنٰی آسی کی کہہ گئے حبّ الوطن وطن
صوفی کا دین مذہب وحدت وجود ہے
جزوی عقل کیا جانے جس کو کٹھن کٹھن
آبِ حیات چشمۂ ظلمات کے اندر ہے
مجھ کو ہے آبِ حیوان چاہِ ذقن ذقن
جس کا ولی محمد شافع امام ہے
تس کو لقا حضور تھا نبوی حسن حسن

اے دل گذر مکان سوں چلنا ہے رین دن میں
رنگپور کا سیر دیکھا اب جاؤں گا وطن میں
ساکن ہوں جس عدم کا اب جاؤں گا عدم میں
مشتاق ہوں اسی کا اس چاک پیرہن میں
ذاتی سوں ذات مل گئی باقی رہی صفاتی
گم ہو گئی ہے مورت تصویر کے حسن میں
خاکی قفس کا مطلب فانی فنا کہوں میں
جس کا علاج کہہ گئے تحقیق بت شکن میں
ظلمات سے سکندر خالی نکل گیا وہ
عاشق وصال پایا معشوق کے ذقن میں

دنیا سرائے ماتم جس کو بقا نہیں ہے
عاشق مدام رہتے دیدار کے جشن میں
جب الوطن کی معنی یوں حج اکبری ہے
دیکھو **ولی محمد** تم قلب کے صحن میں

دل محو ہو گیا ہے محبوب کے حسن میں
مشتاق ہوں اسی کا بلبل مثل چمن میں
ذاتی ہے ذات میری ملک عدم میں داخل
قسمت مجھے پھنسایا اس زلف کے رسن میں
آدم کا ہوش کر کے کرتا ہوں بادشاہی
نا کوئی مکان یکجا رہتا ہوں عشق بن میں
کہتا **ولی محمد**، دم دم کے سیر کا ہے
ذاتی مجھے دکھایا **احد** کے گھور گھن میں

ترے دیدار میں ہادی مرے دل کا نظارا ہے
کروں میں کیا کیسے ظاہر بہت اس کا پسارا ہے
نگہ کر دیکھ یہ ساقی مرے دل کا یقیں قائم
ہمیشہ جام صہبا سے دماغم پر خمارا ہے
خدا بن حال میرے کا نہیں کو دوسرا واقف
کہ ساری رین میں مجھ کو ستاروں کا شمارا ہے
اگر ہووے خطا میری، کرو تم معاف اے دلبر
مرا اس ملک فانی میں یہ دو دن کا گذارا ہے
ولی محمد نہ کیجیے غم وصال یار کا ہرگز
ہجر کی راہ میں آخر اسی مشکل کا چارا ہے

صبا ده مژده ای مارا که آں دلدار کب آوے
وصالِ یار می خواہم ، پری رخسار کب آوے
روم در گلشنِ خوباں ، کنم دیدار کب آوے
چو بلبل در چمن پرسم ، گلِ گلزار کب آوے
برائے صحبتِ جاناں خیالِ بے خودی دارم
طبیبِ دردِ سودایاں مسیحا وار کب آوے
چو یعقوبے ہجر دارم که آں ماهِ مصر بینم
زلیخا وار می جویم که در بازار کب آوے
بیا ساقی ! بده ساغر که من مستم ز عشقِ او
نه نوشم بادۂ گلگوں بجز میخوار کب آوے
ولی محمد طریقِ عشق می بینی در ایں منزل
که جز منصور در وحدت کسے بر دار کب آوے

شبد

سادھو سادھ سنگت میں راکھو دھیان چھوڑ دوئی ابھان
مولچکر کا کرو نظارہ ، نیم سبدھ سے جوت نیارا
آنتر بھیتر بستر سبحان
سشٹ کول موں نام پچھانو ، ساسو ساسی آپ میں جانو
جگیاسی سنگ کرت بیان
اوہوں سوہوں بھجن پکارو ، پریم رس کا نعرا مارو
گگن منڈل میں سرگ مکان
ترگھٹ تیرتھ ہویا جس پر ، گھٹ اجواڑ سایا تس ہر
انبرت جام دیا بھگوان

دیس اگم میں چلنا ہویا ، پنجرے میں ہو کو سویا

جس کا سپنا رحت نشان

کہت **ولی محمد** دم ذاتی ، مرت لوک ہویا اثباتی

کر صوفی صاف دیا بجھ دان

۵۷

میرزا مراد علی بیگ عرف بڈھل بیگ

(۱۲۷۹ھ — ۱۳۳۴ھ)

میرزا مراد علی بیگ عرف بڈھل بیگ بن میرزا فتح علی بیگ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ع میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے ۔ سندھی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم آخوند علی محمد کے مکتب میں پائی ۔ پھر فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور طب کا مطالعہ کیا ۔ وہ ایک اچھے خوش نویس تھے ۔ مختلف ملازمتیں کیں ، لیکن بالآخر میر نور محمد خان تالپور کے پاس ملازم ہوئے ، جہاں سے ترقی کر کے ان کے وزیر بن گئے ۔

میرزا صاحب کو طب اور موسیقی سے خاص شغف تھا ۔ اُستاد امیر خاں (عاشق علی خاں کے ماموں) ان کے خاص ملازم تھے ۔ ان کے علاوہ گامن خاں ، پیارے خاں ، جال خاں اور سیندھے خاں کو بھی ان کی طرف سے باقاعدہ وظیفہ ملتا تھا ۔

بڈھل بیگ نے ۱۲ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۰۵ع کو وفات پائی ۔ پہلے شہر حیدر آباد میں میر محمد نصیر خاں کے مقبرے میں بطور امانت دفن کیے گئے ، پھر سنہ ۱۹۱۸ع میں میر نور محمد ان کی لاش کو کربلا معلیٰ لے گئے ، جہاں پر میر محمد حسن علی خاں کے مقبرے کے ساتھ دوسرا مقبرہ تعمیر کروا کر اس میں دفن کیا گیا ۔

انھیں بچپن ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور اپنے بھائی میرزا قاسم علی بیگ 'قاسم' سے اصلاح لیتے تھے - بڈھل بیگ بنیادی طور پر ایک مرثیہ گو شاعر ہیں - ان کے سندھی مرثیے ادبی اور فنی لحاظ سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں - غزلیں اور 'کافیاں' بھی کہیں - سندھی کلام میں 'بڈھل' فارسی اور اردو میں 'مرزا' یا 'میرزا' تخلص کرتے تھے -

ان کی تصانیف میں سے دیوانِ غزلیات (اردو ، فارسی اور سندھی) ، کلیاتِ مراثی ، مختار نامہ ، حملۂ حیدری (دو جلد) ، سفر نامۂ کربلا[1] اور شگوفۂ ماتم (مطبوعہ) موجود ہیں -

بقول ان کے ہندی یعنی اردو زبان میں ان کو نسبتاً اتنا درک نہیں تھا :

شعرِ ہندی میں اے مرزا درک تیرا ہے خفیف
اس سبب مضمون بالکل کم رہا اشعار کا

تاہم ان کے اردو دیوان میں تقریباً دو سو غزلیں ہیں - نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :

بھاتا ہے سدا روح کو سبزہ چمنی کا
اور بلبلِ مدہوش کے شیریں سخنی کا

لالاں نے چمن میں جو دکھایا رخِ یاقوت
تب یاد پڑا رنگ عقیقِ یمنی کا

جب چاندنی کے کھیت میں دیکھا گلِ مہ رو
تب دل سے مدح خواں ہوا سیمیں بدنی کا

۱- یہ کتابیں قلمی حالت میں میرزا عباس علی بیگ صاحب (ٹنڈو آغا ، حیدرآباد) کے پاس موجود ہیں اور یہ مواد وہیں سے حاصل کیا گیا ہے -

کیا صلّی علی شان ہے اُن زلفوں کا جس کی
خوشبو نے خجل کر دیا نافہ ختنی کا
یہ میرزا دل و جان سے کہتا ہے ہمیشہ
میں ہوں سگِ دربان رسولِ ﷺ مدنی کا

تیرے کوچے میں عجب میں نے تماشا دیکھا
جس کو دیکھا سو ترا چاہنے والا دیکھا
میں یہ سمجھا تھا فقط میں ہی رہا ہوں عاشق
یاں مگر خلقِ خدا کا یہ ہی دعویٰ دیکھا
دوش دیدار سے تیرے مجھے معلوم ہوا
نرگسی آنکھوں میں بس نشۂ صہبا دیکھا
ساری دنیا میں پھرا ہوں میں مگر اے خوشرو
تجھ سے بہتر کہیں اب تک نہیں نقشا دیکھا
میرزا بندشِ مضمون کا تیرے بے شک
ہر گلی کوچے میں ، ہر رند نے چرچا دیکھا

محنت کے بجز غنچہ مثل گل نہ ہوا تھا
بلبل کو یوں ہی لطف یہ حاصل نہ ہوا تھا
ہر روز مزا عشق کا شامل نہ ہوا تھا
جب تک کوئی عاشق وہاں بسمل نہ ہوا تھا
صہبائے حقیقی جو پیا یار سے میں نے
دل میرا اسی حال میں غافل نہ ہوا تھا
غیروں کی ملاقات سے حاصل نہیں ہوگا
تو اپنی خطا کا کبھی قائل نہ ہوا تھا

شکرانہ کیا **مرزا** نے مجلس میں کہ جس دوش
سیمیں سی جبیں تیری میں کچھ بل نہ ہوا تھا

شمعِ عارض دیکھ کر موسٰی نہ پہنچا طور تک
جل گئے کہسار سارے ، جوں ہی آیا نور تک
کون سے عاشق نے دعوٰی کی اناالحق دوستو
یہ فسانہ ختم لیکن ہوگیا **منصور** تک
جاکے اُس کے میکدہ میں میں نے اُس کو یہ کہا
اب پلا اے ساقیا ! وہ ساغر معمور تک
تب رہے کیوں درد میں **مرزا** اے مولٰی ! نااُمید
جب شفا پائے ہیں در سے لولے لنگڑے گور تک

۵۸

سیّد مصری شاہ نصرپوری

(۱۲۴۵ھ — ۱۳۳۵ھ)

سیّد مصری شاہ بن سید بلند شاہ، نصرپور کے مشہور رضوی سادات کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سنہ ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۸ع میں پیدا ہوئے۔ والد فوت ہوگئے تو بڑے بھائی فتح شاہ نے ان کی پرورش کی۔ قاضی گل محمد 'گل' نصرپوری کے مدرسے میں سندھی، فارسی اور عربی میں تعلیم پائی۔ لغت سے شغف تھا اور عربی لغت ''قاموس'' کے الفاظ کی ایک بڑی تعداد ازبر تھی۔ مثنوی حضرت مولانا روم اور رسالہ حضرت شاہ عبداللطیف کو شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ موسیقی میں مہارت حاصل تھی۔ ستار خوب بجاتے تھے۔ سندھ کے باہر سیر و سفر کا شوق رہا اور ہر سال لاہور، دہلی، آگرہ، اجمیر، کاٹھیاواڑ کی طرف جاتے تھے۔ تقریباً ۴۰ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخری عمر میں وہ نصرپور ہی میں متمکن ہو کر بیٹھ گئے، حتیٰ کہ ہیضے کی وبا میں جب دوسرے لوگ شہر چھوڑ چکے تھے، شاہ صاحب توکّل علی اللہ وہیں بیٹھے رہے اور بفضلِ خدا ان کی حویلی کے سب افراد سلامت رہے۔

۵ صفر ۱۳۳۵ھ/۱۹۰۶ع کو تقریباً نوے برس کی عمر میں

وفات پائی اور نصرپور میں شاہ محمود کی درگاہ کے جوار میں دفن ہوئے ، جہاں پر ان کے مزار پر ہر سال ۵ صفر کو عرس ہوتا ہے ۔

مصری شاہ نے سندھی ، سرائیکی ، اردو اور فارسی میں شاعری کی ۔ وہ سندھی 'کافی' کے بلند پایہ شاعر تھے اور 'کافی' کو انھوں نے 'غزل' کا ہمدوش بنا دیا تھا ۔ اردو اور ہندی میں بھی 'کافیاں' ہی منظوم کیں ۔ کلام سے انتخاب ملاحظہ ہو :

کافی

رہا ہوں میں روزِ ازل سے پیاسا
زمیں خاک میخانہ کی من میں آسا

۱۔ کرو جام انعام بےتاب مستی
خودی خود پرستی مٹے خام ہستی
نحس نفس نربھاگ جاوے نراسا

۲۔ تصرف کی طلعت ، نہ کچھ دور دم ہے
یہ تشریف تیری کسی پر نہ کم ہے
درد کیش درویش دیوو دلاسا

۳۔ سہاتا سمک رونقِ رنگ مینا
قدح کیف قدرت سے بھرپور بھینا
عنایت کرو آبِ آتش لباسا

۴۔ ارغوان پیمان ساغر سوایا[1]
فلک نیلگوں نوع دیگر میں آیا
ہو مخمور مصری بھلا ایک ماسا

۱۔ سوایا = ایک پیالے سے زیادہ ۔

کافی

پیتم ست پردیس پدھارو رت ساون کی سانوریا

۱- کالی گھٹا گھٹ رین اندھیری
برس ڈراوے بادریا

۲- بار بار پیا بجلی چمکے
چڑھ کر چڑھ کر چنبریا

۳- کوئل ، مور ، پپیہا بولے
دھوم مچے وچ دھادھریا

۴- رہو ہمارے پاس پیروا
پہن کسونبل کیسریا

۵- **مصری** ساتھ مقابل بیٹھو
من موہن مل مندریا

☆ ☆ ☆

شبد

مرلی سے مجھے موہ کے ، جوگی جان لے گیو رے
کس دیس سے آیو

۱- جوگی آیا کس گام کا ، پایا پیچ زلف کے دام کا
سکھ صبر چین آرام کا ، سامان لے گیو رے

۲- کانوں میں کنڈل پائے کے ، کیسر تلک لگائے کے
کائی آلٹی بین بجائے کے ، سارا شان لے گیو رے

۳- بالوں کا جوڑا کھول کے، کالے کیس کنگی سے پھول کے
ہنس ہنس کے باتیاں بول کے ، گن گیان لے گیو رے

۴- سوامی آیا ہے ستگر ، **مصری** کوں کر منتظر
خم دار مار خنجر ، دھن دھیان لے گیو رے

شبد

الکھ اگم کوئی انت نہ پاوے
لاکھ لکھینا کون لکھے رے
۱- نام نرنجن بھیتر بھاسا
جھنگل جوگی کانھ جکھے رے
۲- سیوو ستگر سنت سدھ سے
پرگھٹیو پربھو پاس پکھے رے
۳- کرناٹک کوٹیسر کالی
گھٹ میں گنگا رام رکھے رے
۴- گُر چرن **مصری** سیس اتارو
کاسی کروت ایک اکھے رے

☆ ☆ ☆

۵۹

پیر بھاون علی شاہ ساقی

(۱۳۰۵ھ — ۱۳۳۷ھ)

بھاون علی شاہ ، درگاہ شاہ قادری (بدین ، ضلع حیدرآبادی) کے مشہور بزرگ پیر محمد شاہ کے فرزند تھے - سنہ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ع میں پیدا ہوئے - والد کے زیرِ انتظام ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور والد کی وفات (۱۹۰۰ع) کے بعد پیر بھاون علی شاہ سجادہ نشین ہوئے - تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور سندھی ، فارسی اور عربی پڑھتے رہے - چودہ برس کی عمر میں آردو ، گجراتی اور انگریزی میں بھی خاصی استعداد حاصل کر لی -

دینِ اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے بھی شغف رہا - کتب بینی کا شوق تھا اور ایک اچھا خاصا کتب خانہ جمع کیا - بزرگوں کے قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا اور ایک فارسی بیاض تیار کی جس میں اپنے خاندان کے حالات آردو میں لکھے - عین شباب میں سنہ ۱۳۳۷ھ (اکتوبر ۱۹۱۸ع) کو وفات پائی اور اپنے آبائی مقبرے میں دفن ہوئے -

پیر بھاون علی شاہ 'ساقی' تخلص کرتے تھے - سندھی کے علاوہ فارسی اور آردو میں بھی شعر کہتے تھے - ان کے آردو کلام کا نمونہ

درج ذیل ہے[1] :

حضورِ داورِ محشر اکیلا جا کھڑا ہوں گا
بجز تیرے نہ ہووے گا سہارا یا رسولؐ اللہ

بتا اے مرغِ دل تو نے کہاں اپنا وطن چھوڑا
نہ رستہ دشت میں پایا ، کہاں اپنا چمن چھوڑا
کہاں وہ باغِ فردوسی ، کہاں وہ جنّت الماویٰ
کہاں وہ قصرِ ملکوتی ، کہاں ملکِ عدن چھوڑا
کہاں وہ آبِ انگوری ، کہاں وہ عنبریں ساغر
کہاں وہ نرگسِ شہلا ، کہاں مشکِ ختن چھوڑا

جمالِ یار جمالِ قمر نہ یکساں ہے
ہمارے دیدۂ گریاں ، ابر نہ یکساں ہے

☆ ☆ ☆

۱- محترم شیخ محمد سومار ساکن بدین نے ساقی کے کلام کو ''ساقی جا سخن'' کے نام سے اپنی تالیف میں جمع کیا ہے ۔

٦٠

میاں محمد یوسف علوی
عرف میوں وڈل حیدری
(۱۲۷۸ھ؟ — ۱۳۳۸ھ؟)

مشہور ولی ابو ریحان سلطان غیاث الدین عرف 'شیخ ریحان' کی نسل سے بزرگِ کامل محمد یوسف یوسفانی کی اولاد میں سے تھے - میاں یعقوب علوی کے بڑے صاحب زادے تھے - سنہ ۱۲۷۸ھ کے لگ بھگ قصبہ' سعید پور (ضلع حیدرآباد) میں پیدا ہوئے - والدِ بزرگوار کی زیرِ نگرانی اچھی تعلیم پائی - طب کا خاص مطالعہ کیا اور اپنے دور کے کامیاب حکیم تھے - ساٹھ برس کی عمر میں قصبہ سعیدپور میں ہی وفات پائی اور 'شیخ ریحان' کے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے -

میاں محمد یوسف عرف میوں وڈل ایک حاذق حکیم ، نکتہ سنج ادیب اور شاعر تھے اور 'حیدری' تخلص کرتے تھے - قادری مشرب اور علوی نسب کے لحاظ سے خود کو 'علوی القادری سعید پوری المتخلص بہ حیدری' لکھتے تھے - غلام محمد شاہ 'گدا' اور میر عبدالحسین خاں 'سانگی' کے چھوٹے معاصرین میں سے تھے - دونوں سے 'حیدری' کی دوستی تھی - میر عبدالحسین خاں 'سانگی' نے اپنی تالیف 'لطائفِ لطیفی'

(حضرت شاہ عبداللطیف کے حالاتِ زندگی) مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ 'حیدری' کو بطورِ ہدیہ پیش کی :

"امروز تاریخ دہم ماہ اگست ۱۸۹۱ع مطابق تاریخ چہارم ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۰۸ھ . . . این نسخہ تصنیفِ خودم 'لطائفِ لطیفی' بہ عالی شان ، رہنماے سالکان ، گزیدۂ درگاہِ عزّ و جلّ میاں وڈل علوی القادری سعید پوری المتلخص بہ 'حیدری' بہ یادگیری دادم ۔"

'حیدری' بھی سانگی کے ثناخواں تھے ۔ بقولِ غلام محمد شاہ 'گدا' :

زمانے میں کوئی بجز حیدری
کسی اور کے گیت گاتا نہیں

'حیدری' فارسی اور سندھی میں شعر کہتے تھے ۔ شروع شروع میں فارسی کے ساتھ آردو میں بھی مصرعے نظم کیے ، مثلاً :

دوش فرمود مرا پیرِ خرابات بہ لطف
سیکشرن میں جو تو مشہور ہوا خوب ہوا

'گدا' اور 'سانگی' کی صحبتوں میں 'حیدری' کا آردو میں شعرگوئی کا شوق بڑھا ، اور انھوں نے آردو میں بہت کچھ کہا ، جس کا کچھ حصہ ہم ایک بیاض کی غزلیات سے انتخاب کر کے یہاں دے رہے ہیں :

خبر لے جلد اے دلبر کہ عاشق زار مرتا ہے
ہے جاں بر لب ترا بیمار ، بے دیدار مرتا ہے
جفا و جور لیلٰی ہجر سے تیرے ارے ظالم
چکا اب پی جگر کا خوں ، وہ مجنوں وار مرتا ہے

ہوا ہے پشت خم عاشق گراں بارِ جدائی سے
نقابِ رخ اٹھا کر دیکھ، زیرِ بار مرتا ہے
شبِ تاریکِ فرقت میں چلا وہ دیکھنے تجھ کو
مگر کھا ٹھوکریں با روزنِ دیوار مرتا ہے
بکف سر لے بھٹکتا ہے تصور میں صنم تیرے
کیا اس پر نہ تو نے لطف، بے تیار مرتا ہے
نگاہِ ناز سے جس کو کیا ہے نیم بسمل تو
ستمگر شوخ تیرے عشق کا بیمار مرتا ہے
لیا ہے جس نے راہِ عاشقی اے **حیدری** بے شک
خطر آوے نہ کچھ اس کو جو لے آزار مرتا ہے

صنم میرا مسیحائے زماں ہے — دوائے دردِ دل وہ جانِ جاں ہے
شتابی سے خبر لے جلد تو نے — جسے بسمل کیا وہ نیم جاں ہے
قدم سرکا نہیں سکتا ہوں یارو — بہت بوجھا جدائی کا گراں ہے
سراغ اس کا نہیں پایا کسی جا — نشاں اس کا تو مطلق بے نشاں ہے
نہیں خواہش ہے دل کو بوستاں کی — مرا سینہ تو رشکِ گلستاں ہے
نہ تھا معلوم اوّل عاشقی میں — ابھی کا نفع آخر میں زیاں ہے
نہیں لیتا کوئی دل عاشقوں کی — مگر دزدِ حنا تو دزدِ جاں ہے
کدھر بھولے سجن کا نام مجھ سے
سدا جو **حیدری** وردِ زباں ہے

چہچہا ہے بلبلوں کا در گلستاں آج کل
پھر بہار آیا چمن میں، ہے پرستاں آج کل

مطرب و ساقی ، مے و مینا بھی اب ہیں سب وہاں
بانگِ نوشا نوش ہے در صحنِ بستان آج کل

ان دنوں در گردشِ ساغر نہ کر ساقی درنگ
کیا خبر ہوگا نہ ہوگا جو ہے ساماں آج کل

عندلیبِ شوق یہ دیتی صدا ہے دم بدم
سب نکالو مے پرستو دل کے ارماں آج کل

غرق ہو در بحرِ عصیاں گرچہ تم اے **حیدری**
تھام لے گا ہاتھ تیرا شیرِ یزداں آج کل

مچا ہے شور در گلشن کسو کا
لیا ہے خار گل دامن کسو کا

خدا سے ڈر ، جفا بلبل پہ مت کر
نہ ہو اے باغباں رہزن کسو کا

چمن کے سیر سے بیتاب ہے دل
مجھے بھاتا نہیں گلشن کسو کا

میں رویا ہوں ہلالِ ماہ نو دیکھ
جو آیا یاد ہے ناخن کسو کا

بیاباں میں بھٹکتا ہوں چو مجنوں
نہ لیلٰی سا ملا مسکن کسو کا

جفا جُو اب چلا کے تیغِ ابرو
جدا سر سے کرے گا تن کسو کا

چلا کر تیرِ مژگاں شاہِ خوباں
کیا آماج ہے مدفن کسو کا

زمانے کو سدا رکھتا ہے تاباں
سراج سوز دل روشن کسو کا
ڈرے کیا **حیدری** مکرِ عدو سے
وہ خود ہوتا نہیں دشمن کسو کا

نہیں بھاتا ہے جز تیرے گلستاں کا صحن مجھ کو
نظر آتا ہے خاروں سے سراسر ہر چمن مجھ کو
خدارا رحم کر اے مہ، مدد کو جلد آ پہنچو
ستاتا ہے سدا بے فائدہ چرخِ کہن مجھ کو
مزے سے کس طرح بھر بھر کے جامِ وصل کو پیتے
اگر ملتا کہیں مہ رو ترا چاہِ ذقن مجھ کو
پسند آتا نہیں ہے سیر بستاں کا مجھے بالکل
مرا وہ گلشنِ عالم میں بس ہے گل بدن مجھ کو
مری ذلّت سے اب آباد ہے وہ وادیِ مجنوں
دکھائے عشقِ تازہ نے یہ سب رنجِ کہن مجھ کو
ستمگر عشق میں تیرے رہا گریے کا یہ عالم
کہ ہے اشکوں سے دائم تر بتر یہ پیرہن مجھ کو
الا یا **حیدری** دنیا ہے سجن المومنیں بے شک
ولیکن رشکِ جنّت ہو، ملے گر آ سجن مجھ کو

دیکھنا تاثیر کنعاں کے تھا یوسف چاہ میں
مصر میں بے شک زلیخا بھی تھی اس کے چاہ میں
یہ سخن انصاف کا ہے کون پائے گا کبھی
خاکساری کا مزا نخوت سے عالی جاہ میں

دیکھ میری جاں کنی کو کوہکن نے یوں کہا
میرے تیشے سے اثر افزوں ہے تیری آہ میں

دلربا! کوچے سے تیرے ہم تو فرقت لے چلے
ہاں درِ دولت سے تیرے اب یہ ذلّت لے چلے
کوہکن سے، وامق و فرہاد و مجنوں سے بھلا
وادیِ اُلفت میں ہم ان سب سے سبقت لے چلے
لیلٰی و شیریں سے ہے وہ یار میرا وضع دار
قیس اور فرہاد دنیا سے خجالت لے چلے
عشق تیرا اے صنم اتنا ستاتا ہے کہ ہم
کفر اور اسلام کے بدلے میں وحشت لے چلے
گر نہیں محفل میں مجھ کو اس نے بلوایا تو کیا
چوم کر خاکِ درِ دل دار، بہجت لے چلے
کیا نصیب اپنا ہے یارو کوچۂ دلدار سے
دولتِ دیدار کے بدلے میں حسرت لے چلے
حیدری روزِ ازل سے آج تک با درد و غم
شکرِ ایزد عشق دلبر کا سلامت لے چلے

زلف کے دام کو دلبر جو دوتا کردے گا
طائرِ دل کو تو محبوسِ بلا کر دے گا
تیغِ ابرو سے اگر عاشقِ مضطر بچ جائے
خونِ دل اس کا یقیں دستِ حنا کر دے گا
تیغِ ابرو سے اگر قتل مجھے یار کرے
خوں بہاوے گا وہی خون بہا کر دے گا

مست دل میرا نہ مےخانے سے ہوگا باہر
خدمتِ پیرِ مغاں صبح و مسا کر دے گا
شعر میرا جو اگر دیکھے گا **قاسم** صاحب
دفترِ نظم کو اپنے وہ جلا کر دے گا
آپ فرماتے ہیں کیا مصرعِ دلکش میں مجھے
"لاڑ جاوے گا تو یاروں کو بھلا کر دے گا"
خدمتِ اقدس و اعلیٰ میں رہوں گا دائم
درِ دولت سے نہ اللہ جدا کر دے گا
میرِ ما **عبد حسین خاں** ترے الطاف یقیں
جیتے جی **حیدری** ہرگز نہ بھلا کر دے گا

ہر سمت سے اب لالہ ہے مستوں کو بلاتا
لے ہاتھ میں پیمانہ عقّار بسنتی
رندوں کا بھلا اوج نہ کیوں پہنچے فلک پر
باندھے ہے زرافشاں گلِ دستار بسنتی
اے ابرِ کرم کانِ عطا **عبد حسینی**
موسم یہ مبارک ہو اے سردار بسنتی

ساقی کے سوا مے کا بھی پینا نہیں اچھّا
بے یار کے جگ میں کبھی جینا نہیں اچھّا
اے غنچہ دھن ، شوخ سمن بر مرے دلبر
کیا عطر سے تیرا ہے پسینا نہیں اچھّا
ظاہر یہ غمِ فرقتِ دلبر کا نشاں ہے
زخمِ دلِ بےدل کو تو سینا نہیں اچھّا

قسمت میں نہ جس کو ہو کبھی دوست کا دیدار
اس طرح کا تو دیدۂ بینا نہیں اچھا
اندوہ و غم و یاس و الم اس میں ہیں موجود
تو کیا دل عاشق کا خزینا نہیں اچھا
اس خرقۂ پشمینہ سے در ملّت رنداں
یاں مخمل و سنجاف و مرینا نہیں اچھا
دل میں نہ رکھ اے **حیدری** توں خواہش دنیا
نیکوں کی تو صحبت میں کمینا نہیں اچھا

نہیں چلنے کی طاقت ہے، فقط اُٹھتا ہوں رہ رہ کر
یہ حالت ہوگئی پیارے تمھارے جور سہہ سہہ کر
رخ دلبر نہیں ہے چاند، جو ہو ابر سے مخفی
نقاب اس پر رقیب روسیہ رکھتا ہے تہہ تہہ کر
پرندوں کو یہ حاصل حق سے ہے بہرہ محبت کا
گلوں پر بلبلوں نے کیا مچائے شور چہہ چہہ کر
یقیں ایجاد کی تعریف موجد کی ستائش ہے
میں مر جاؤں گا خوبوں کی مدامی مدح کہہ کہہ کر
رموز عشق بازی غیر پر کیوں کر عیاں ہوں گے
وہ خود سیمیں تنوں سے سیم کا خواہاں ہے رہ رہ کر
یقیں وہ منکر وحدت ہے، جو قائل ہے کثرت کا
جو زاہد رکھتا ہے تسبیح کے سو دانے دہ دہ کر

☆ ☆ ☆

٦١

امام علی خدمت گار

(۱۲۵۰ھ؟ — ۱۳۱۵ھ؟)

امام علی ، امیرانِ ٹالپور کے خدمت گار گھرانے میں سے تھا ۔ وہ خود میر عبدالحسین خان سانگی کی خدمت میں تھا ۔ ادیب و شاعر تھا ۔ سال ۱۳۰۱ھ میں میر عبدالحسین خان کے صاحبزادے ایزد یار خان کی ولادت پر یہ تاریخی قطعہ لکھا :

امیرِ زمان ، خسروِ داد گر
ہیں جن کے دعا گوی برنا و پیر

وہی میر عبدالحسین خان ہے
حسین و حسن جس کے ہیں دستگیر

خدا نے دیا اس کو فرزندِ نیک
ز لطف و عنایت ، بفضلِ کثیر

وہ شہزادۂ ایزدِ یار خان
منوّر جبینش چو بدرِ منیر

الٰہی بحقِ نبیؐ و علی
ہو بخشش فزون اور عمرش کثیر

زہے بخت و اقبال و جاہ و حشم
سہ و سال دمسازِ میر ابنِ میر

نہ تھی فارسی میں مجھے دسترس
ثناخواں بہ ہندی ہوا تب فقیر

نتیجہ یہ اس کا ہوا ہے عیاں
گدا سے جو مجھ کو ہے صحبت کثیر

امامِ علی سالِ تاریخ میں
گرفتہ چوں قافِ قلم عقلِ پیر

خرد نے کہا با سرِ 'حمد' کہہ
"بود ایزدش یار و عمرش کبیر"

۸(ح)+۱۳۹۳–۱۰۰(ق) = ۱۳۰۱

☆ ☆ ☆

٦٢

میرزا دوست محمد دوست

(۱۲۷۹ھ — ۱۳۳۹ھ)

میرزا دوست محمد بن میرزا علی بخش سنہ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ع میں محلہ 'ٹنڈو آغا'، شہر حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان پہلے خیر پور میں آباد تھا، بعد میں حیدر آباد کے ٹالپور حکمرانوں کے ایما پر حیدر آباد منتقل ہو کر ٹنڈو آغا میں آ بسا۔ ان کے والد، دادا اور پردادا امیرانِ سندھ کے معتمدِ خاص تھے۔

میرزا دوست محمد نے وقت کے رواج کے مطابق اچھی تعلیم پائی۔ شاعرانہ ذوق پیدا ہوا تو اساتذہ کی رہنمائی حاصل ہوئی۔ سندھی میں غلام محمد شاہ 'گدا' سے اصلاح لی اور اردو اور فارسی میں مولانا ابوالحسن لکھنوی سے استفادہ کیا۔ میر عبدالحسین خان سانگی کے خاص مصاحبین میں سے تھے۔ میرزا دوست محمد 'دوست' نے ۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ع/۱۳۳۹ھ کو وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان ٹنڈو آغا میں دفن ہوئے۔

ان کے خاندان میں زیادہ تر مرثیہ گو شاعر ہی تھے، لیکن 'دوست' پہلے شاعر تھے جنھوں نے اس روایت سے منہ موڑ کر مرثیے کے ساتھ ساتھ غزل کو بھی اپنایا۔ سندھی، فارسی اور اردو میں ان

کا کلام موجود ہے ۔ اُردو کلام کا نمونہ درجِ ذیل ہے :

ہوں میں مشتاق اپنے دلبر کا
سرو قد ، گل بدن ، سمن بر کا

پیچ در پیچ زلف دلبر کا
رشک افزا ہے مشک ازفر کا

چرخِ بیداد نے ستایا بہت
حال آ کے سنو تو مضطر کا

جس کے خاطر تسلّی ہو اُس کو
نہیں معلوم حال مضطر کا

ہے صنم میرا اشرف المخلوق
برہمن کا خدا ہے پتّھر کا

ہو مبارک رقیب کو دنیا
مجھے مطلوب وصل دلبر کا

گرچہ ظاہر ہیں زہد کے اسباب
دل ہے مشتاق ماہ پیکر کا

دل لگاتا ہوں شعلہ رویوں سے
ہم سبق میں بھی ہوں سمندر کا

بسکہ اس کا میں دوست جانی ہوں
دوستا ! ہو جو عبد قنبر کا

بارک اللہ ! باغ میں بلبل ہے شاداں آج کل
پھر بہار آئی چمن میں ، گل ہے خنداں آج کل
شاخِ گل پر نغمہ زن کیونکر نہ ہو اب عندلیب
باغ میں بادِ بہاری ہے خراماں آج کل

ہے غضب، یہ کیا ستم اُس بے وفا نے کر دیا
وعدے پر آیا نہیں، بیٹھے ہیں ہم یاں آج کل
دیر میں ساقی نے ساغر کو کیا لبریز ہے
منتظر بیٹھے ہیں ہم، اور در پہ درباں آج کل
وقت رخصت کے جو پوچھا ہم نے، کب آئیں گے آپ ؟
ہنس کے بولا، ہوں گا جلدی تیرا مہماں آج کل
دوستا! ہیں شعر گوئی میں یہ شاعر بے عدیل
میر صاحب اور **گدا شہ**، **حیدری**، ہاں آج کل

جاتے ہی نرگس کو دیکھا میں نے حیراں باغ میں
یاد آئی مجھ کو جس دم چشمِ جاناں باغ میں
چہچہے بلبل نے بھولے، پھول بھی خنداں نہ تھے
سرو، قمری، باغباں سب تھے ہراساں باغ میں
میرے گلرو کی جو زلفیں شانے پر کھلتی رہیں
نازنیں کی زلف سے سنبل پریشاں باغ میں
زلف سے حیراں ہے سنبل حسن سے حیراں ہے گل
سرو قد گلرو ہمارا ہے خراماں باغ میں
دوستا! اس شمع رُو و شوخ سے ڈرتا نہیں
ہے جلاتا مجھ کو اس کا سوزِ ہجراں باغ میں

میرے دلبر کے بال کالے ہیں
سر پہ دو سانپ گویا پالے ہیں
بال دلبر کے گرچہ کالے ہیں
طُرہ اس پر ہے پیچ والے ہیں

لطف کرتا ہے گاہ ، گاہے ستم
ناز دلبر کے کیا نرالے ہیں

سیفِ ابرو کے ذکر کرنے پر
لگے عاشق کے دل پہ بھالے ہیں

آج گھر آئے لطف کر کے حبیب
میرے گھر کے جو وہ اُجالے ہیں

جب بہار آئی صحنِ گلشن میں
دل کو دیکھا تو زخم آلے ہیں

غم و اندوہ و یاس و حسرت سے
پڑے عاشق کے دل میں چھالے ہیں

میرا استاد سخن سنج **گدا**
شعر کے طفل اس نے پالے ہیں

حیدری کے سخن ہیں لاثانی
شعر ایسے نہ دیکھے بھالے ہیں

دوستا ! یہ سیاہی کیسی ہے
مہر و مہ پر نقاب ڈالے ہیں

جسی دن سے مرا دلبر جدا ہے
اُسی دن سے طبیعت بے مزا ہے

کہوں کس سے جدائی کی حقیقت
کوئی مونس نہیں ، نے دلربا ہے

ہوئے ہو کیوں خفا اتنا تو ظالم
کرو ثابت ، ہماری کیا خطا ہے

قتل[1] کر تیغِ ابرو سے اے خوشرو
مسافر، بے وطن کی یہ سزا ہے

کبھی وعدہ وفائی کی نہ ہم سے
جہاں میں مشتہر وہ بے وفا ہے

سوالِ دوست ہرگز رد نہ کر یار
یہ بیکس بھی ترے در کا گدا ہے

☆ ☆ ☆

۱۔ 'قتل' سندھی لب و لہجہ کے مطابق۔

۶۳

میر عبدالحسین سانگی

(۱۲۶۸ھ — ۱۳۴۲ھ)

بزہائی نس میر عبدالحسین خان بن میر عباس علی خان بن میر محمد نصیر خان ٹالپور ، کلکتے میں قیدِ فرنگ کے زمانے (۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ع) میں پیدا ہوئے - ان کی والدہ ایک انگریز خاتون تھیں - سنہ ۱۸۶۳ع میں بارہ سال کی عمر میں کلکتہ سے رہا ہوکر اپنے چچا[1] میر محمد حسین علی خان کے ساتھ واپس سندھ آئے - کلکتہ میں آنھوں نے فارسی کی تعلیم میرزا حسن علی عرف میرزا بزرگ المتخلص 'باوفا' سے حاصل کی - سندھ واپس پہنچنے کے بعد فارسی میں آخوند احمد بن عبدالعلیم ساونی ہالائی سے ، اردو میں مولوی ابوالحسن بن مولوی مہدی حسن لکھنوی سے اور سندھی میں غلام محمد شاہ گدا سے اپنے کلام میں اصلاح لی - اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوکر فرسٹ کلاس اسپیشل مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز رہے - سندھی میں 'سانگی' اور اردو و فارسی میں 'عبدالحسین' تخلص کرتے تھے -

سانگی ایک عالم فاضل ، شاعر و ادیب تھے - چونکہ موسیقی

۱- یعنی والد کے چچا زاد بھائی -

سے انھیں بے پناہ شغف تھا اس لیے سب سے پہلے 'کافیاں' کہیں جو ''سوز سانگی'' کے نام سے مرتّب ہوئیں - یہ مجموعہ اب ناپید ہے - سنہ ١٩٠٣ع تک اُن کے دو دیوان شائع ہوئے - تیسرے دیوان کو ١٩٠٨ع میں مرتّب کیا - یہ تینوں دیوان ان کی کلیات میں شامل ہیں جس کو راقم نے مرتّب کیا ہے -[1] سانگی ایک اچھے نثّار بھی تھے - سندھی میں ان کے لکھے ہوئے چھ افسانے ١٩٠٣ع میں چھپ کر شائع ہوئے -

سانگی کو حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی سے بے حد عقیدت اور محبت تھی ، اس لیے انھوں نے ان کے ''شاہ جو رسالو'' کے نسخے نقل کروائے اور خود بھی نقل کیے - اس کے علاوہ انھوں نے شاہ عبداللطیف کی سوانح کے متعلق روایتیں ''لطائفِ لطیفی'' نامی فارسی کتاب میں جمع کیں - یہ کتاب ١٠ ذیقعدہ ١٣٠٥ھ مطابق ١٩ جولائی ١٨٨٨ع کو مکمل ہوئی - راقم ہی نے اس کو مرتّب کیا ہے اور ١٩٦٧ع میں ''بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کمیٹی'' کی طرف سے شائع ہو چکی ہے -

'سانگی' کا دور سندھی شاعری کا زرین دور کہلاتا ہے - اسی دور میں سانگی کے یہاں سندھی مشاعروں کی ابتدا ہوئی - غلام محمد شاہ گدا ، سیّد غلام مرتضٰی مرتضائی ، میوں وڈل حیدری ، فضل محمد ماتم ، میرزا قلیچ بیگ 'قلیچ' ، میرزا دوست محمد دوست ، سیّد محمد فاضل شاہ فاضل ، آخوند لطف اللہ ، آقا میرزا محمد حسن شیرازی ناخدا ، مرزا محمد تقی 'تائب' قندھاری اور مولانا ابوالحسن

١- ''کلیات سانگی'' سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے حال ہی (١٣٨٩ھ/١٩٦٩ع) میں شائع ہو چکی ہے -

لکھنؤی ان کے مصاحبین میں سے تھے - اسی دور میں ان بزرگوں کے ذوق نے اردو شاعری کو بھی فروغ دیا - سانگی نے سنہ ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ع میں وفات پائی اور روضۂ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے قرب میں دفن ہوئے -

سانگی سرزمینِ سندھ کے باکمال سخنور ہیں، جنھوں نے سندھی ادب کو قدیم رجحانات، پرانے خیالات اور فرسودہ مضامین کی بجائے جدید رجحانات، اچھوتے خیالات اور نئے مضامین عطا کیے - سانگی سندھی، اردو، سرائیکی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور بہت خوب کہتے تھے - ان کی 'کلیات' میں ان کی ۴۵ اردو غزلیں اور ایک منظوم خط شامل ہے - اردو کلام سے انتخاب ملاحظہ ہو:

جب پریشان صنم زلفِ دوتا کر دے گا
دلِ دیوانہ کو زنجیر بپا کر دے گا
کب ضرورت مجھے مسجد کی رہے گی کہ خدا
ابروے یار کو محرابِ دعا کر دے گا
کیا ضرورت ہے چراغوں کی اگر یار آیا
رخِ پُر نور سے اس گھر میں ضیا کر دے گا
چشمِ تر ابر ہے میرا تو دہن ہے طوفاں
آہ کے دم سے رقیبوں کو ہوا کر دے گا
کس کو معلوم تھا دلدار جو جادو کر کے
پیچ کر کاکلِ پیچاں کو بلا کر دے گا
حیدری[1] سے نہ تھی اس طرح کی امید کبھی
'لاڑ'[2] جاوے گا تو یاروں کو بھلا کر دے گا

۱- میوں وڈل حیدری کی طرف اشارہ ہے -
۲- لاڑ = سندھ کا جنوبی علاقہ -

رہ گیا ہوگا جو مضموں کوئی مجھ سے مخفی
برملا اس کو یقیں شاہ گدا[1] کردے گا
لطف اپنے سے بھلا عبدحسینا تیرا
ہو نہ سکتا ہے جو تجھ سے وہ خدا کردے گا

مشہور اپنا نام تو مستانہ ہوگیا
اپنے جنوں کا خلق میں افسانہ ہوگیا
نظروں میں سب طرف مری ویرانہ ہوگیا
تب رہ گئے وہاں جہاں بےخانہ ہوگیا
غفلت سے اُس صنم کے تصور میں گر کبھی
مسجد میں جاکے بیٹھے تو بت خانہ ہوگیا
اک نوجواں کی یاد میں کرتا ہوں بےکشی
پیرانہ سر میں خواہشِ طفلانہ ہوگیا
خالِ سیہ ہے رخ پہ ترے خیلے خوشنما
دانا جو دیکھا دانا بھی دیوانہ ہوگیا
دندانِ آبدار سجن کے خیال میں
جو قطرہ اشک کا گرا دُردانہ ہوگیا

اپنا دلدار سے غرض مطلب
نہیں اغیار سے غرض مطلب
دل کا سودا لگا ہے یوسف سے
نہیں بازار سے غرض مطلب

۱- غلام محمد شاہ گدا کی طرف اشارہ ہے -

بام پر چڑھ کے رخ دکھا دلبر
اپنا دیدار سے غرض مطلب

نہیں زاہد سے مجھ کو خوف و رجا
جب رہا یار سے غرض مطلب

خالِ ہندو سے دل لگا اپنا
اب ہے زنّار سے غرض مطلب

یا امامِ بحق سدا اپنا
تیری سرکار سے غرض مطلب

میں ہوں **عبدالحسین** اے زاہد
کیا مجھے نار سے غرض مطلب

زلفِ دلبر کا ہے جو کالا سانپ
وہ تو میرا ہے ہاتھ پالا سانپ

زلفِ دلبر کا زہر والا سانپ
کیا ہی مشّاطہ نے سنبھالا سانپ

زلفِ دلبر کا ہے مکیں بر گنج
رخِ دلدار کے ہے بالا سانپ

کیا ہی صانع نے سانچۂ قدرت
زلف کا مشک سے ہے ڈھالا سانپ

کاٹ لیتا وجود سے دل کو
زلف کا سب سے ہے نرالا سانپ

لے کے **عبدالحسین** کاکلِ یار
اپنی گردن میں آپ ڈالا سانپ

اُس کی پروا نہ کرے میری بلا میرے بعد
کہ اُلٹ جائے زمانے کی ہوا میرے بعد

لطف کرنا ہے تو کر لے ابھی پیارے ورنہ
میرا کیا ، گر نہ کرے مہر و وفا میرے بعد

جب نہ مجنوں ہے نہ وامق ہے نہ قیس و فرہاد
کون اُٹھائے گا محبت کا لوا میرے بعد

خون میرے کا پتا تجھ سے ملے گا آخر
رنگ لائے گا ترا رنگِ حنا میرے بعد

کس کو دکھلاؤ گے اے یار کرشمہ کر کے
کون دیکھے گا ترے ناز و ادا میرے بعد

حق سے مجھ کو ہے ملا **عبد حسینی** کا خطاب
نام میرے سے ہوئی میری شفا میرے بعد

سکھایا میں نے ہے نازنینوں کو بے وفائی وفا وفا کر
پھرایا مجھ کو ہے راستے سے بتوں نے بانکی ادا ادا کر

خطا کا بانی ہے تیرا خاطی تو اپنے لائق عطا عطا کر
ہوا ہوں تیری عطا کا باعث اے میرے خالق خطا خطا کر

غلام اپنے تھے بخت و دولت ، کیا ہے آزاد ان کو میں نے
بجاتے ہیں جو طبل سلاطیں میں اس کو چھوڑا بجا بجا کر

بدستِ معشوق رہتی مفتوں ہے بعدِ مردن بھی دیکھ زاہد
لگایا ہاتھوں پہ خونِ عاشق ہے نازنیں نے حنا حنا کر

دکھا کے دانا جو خالِ مشکیں ہے لعل رخسار نازنیں پر
کیا مقیّد ہے مرغِ دل کو بدامِ کاکل پھنسا پھنسا کر

کمند زلفِ سیہ میں مہرو کے پھر نہ پھنسنے کی آرزو ہے
چھٹی ہے جاں اب تو عاشقی سے بوقتِ پیری خدا خدا کر
یقین **عبدالحسین** ہوں میں نہیں صعوبات سے ہوں خائف
کرے گا کیا اب رقیب رہزن ، یزید صورت جفا جفا کر

نہ ہوا مہربان یار ہنوز
رہا اپنا وہ حالِ زار ہنوز
کیا کروں میں شراب کو کہ مجھے
چشمِ ساقی سے ہے خمار ہنوز
میرے بالوں میں اب پڑا کافور
زلفِ دلبر ہے مشک بار ہنوز
میں ہوں **عبدالحسین** اے زاہد
غمِ شہدا میں داغ دار ہنوز

مفلس ہوتا ہے امتحاں میں نراس
پاس پیسہ ہے جس کے وہ ہے پاس
ہے زمانہ مرا بڑا دشمن
ہو مددگار حضرتِ عبّاس
ہوں حوادث ہزار ، فکر نہیں
مرد کو چاہیے نہ ہرگز یاس
دشمنوں نے کیا نہیں ہرگز
دوستوں نے کیا ہے دل کو اداس
کس نے آ کر نہیں کیا معلوم
کون بھگوان ، کون ہے یاں داس

میں ہوں عبدالحسین اے زاہد
کس طرح کا نہیں مجھے وسواس

یار کے رخسار پر اب نکل آیا ہے خط
عاشقوں کے قتل کا اس نے یہ پایا ہے خط
یار کے رخسار پر خال کے دانے کو دیکھ
طائرِ دل کے لیے دام بنایا ہے خط
نام لے قاصد مرا پوچھے دل آرام گر
خونِ دلِ زار سے کس نے لگایا ہے خط
خط کا جو چاہا جواب میں نے دل آرام سے
شوخ کہا شوخ ہو، کس نے پڑھایا ہے خط
ذبح کبوتر کو کر پھینک دیا یار نے
بال میں عاشق کا باندھ کا ہے کو لایا ہے خط
فکر ز روزِ جزا کیا کرے عبدالحسین
حق سے رہائی کا جب اس نے تو پایا ہے خط

سناؤں کس کو میں اب اپنی داستانِ فراق
گرا ہے سر پہ مرے آ کے آسمانِ فراق
کہیں ہے مست کہ رہتا ہے لامکانِ فراق
میں جا کے لاؤں گا لاہوت سے نشانِ فراق
نہیں ہے عقلِ معیشت کو اس سے کچھ نسبت
زباں کو کب ہے بھلا طاقتِ بیانِ فراق
یہ دیکھ کیسے مزے کا طعام کھاتا ہے
شرابِ خونِ جگر، لختِ دل ہے نانِ فراق

میں دیکھ آؤں گا دلبر کا چاند سا مکھڑا
گر آسماں تلک اٹھ جاوے نردبانِ فراق
ابھی فراق زمانے میں مفت رہتا ہے
رہا نہ جب کوئی باقی ہے ہم زبانِ فراق
وصالِ یار تو خلدِ بریں ہے اے زاہد
سنا جو تو نے ہے دوزخ وہ بے گماں فراق
لیا ہے **عبدِ حسینی** کو گھیر پیری نے
ہوا ہے یارو ابھی اس کا نوجوان فراق

پیر و جواں ز اہلِ جہاں ہیں جہاں تلک
سب مہربان اپنے ہیں نامہرباں تلک
لالے چھپا کے سبزی دکھاتا ہے برگ بھی
پاسِ بتاں تو سب کو ہے منظور یاں تلک
باندھے پڑے ہیں اب رسنِ خام میں تو کیا
لاتے تھے باندھ کر کبھی شیرِ ژیاں تلک
آتا نہیں ہے دل پہ مرے دھیان اور کا
وابستہ ہے خیال، خیالِ بتاں تلک
خورشید تب ہے جب وہ کرے ذرہ پروری
ورنہ شعاع شمع کو بھی ہے زباں تلک
عبدالحسین شیرِ خدا، شاہِ لافتی
حامی رہے گا تیرا جہاں میں جہاں تلک

بے شرم جو گلرو ہو مرا گل کے مقابل
یا مجھ سا غزل خواں ہو بلبل کے مقابل

نسبت ہو رقیبوں کے تئیں کون سی مجھ سے
ہو گا خرِ عیسٰی کبھی دُلدل کے مقابل
سب اہلِ خرد اُس کو تو دیوانہ سمجھتے
جو بھنگ کے کاسے کو کرے مُل کے مقابل
ہو ناک میں وہ جس سے رگِ جاں ہو معطّر
کیا مشک کی خوشبو چلے کاکل کے مقابل
بے قدر ہے بے خواستہ جو وصفِ بتاں میں
شاعر جو کرے زلف کو سنبل کے مقابل
میں **عبدِ حسینی** ہوں کبھی خوف کے مارے
تکیے کو کروں گا نہ توکّل کے مقابل

قابلِ دیدار ہے سیرِ گلستاں آج کل
کر رہے ہیں چہچہے مرغِ خوش الحاں آج کل
طائرِ دل اب نہ کیونکر ہو گرفتارِ بلا
دام والے زلفِ پیچاں ہیں پریشاں آج کل
حسنِ روز افزوں کو تیرے دیکھ کر اے مہ لقا
ہے خیالِ روئے میں آئینہ حیراں آج کل
یا خدا اس گلبدن سے کب میں ہوں گا ہمنوا
جس کی خاطر مثلِ بلبل ہوں میں نالاں آج کل
تیری چوٹی کے ستارے کی چمک کو دیکھ کر
ذرّہ سا شرمندہ ہے خورشیدِ رخشاں آج کل
دہر میں **عبدالحسینی** ہر طرح کھیلے شکار
اب نہ کچھ باقی رہا ہے دل میں ارماں آج کل

شمع کافور سے پگھلتے ہیں
اپنی آتش میں آپ جلتے ہیں

دن کو چڑھتے شرارے آہوں کے
رات کو تارے وہ نکلتے ہیں

یہ نہ ہے شعر یادِ گیسو میں
یار کے زہر ہم اگلتے ہیں

عاشقوں کے ہلاک کی خاطر
زلفِ دلبر چو مار پلتے ہیں

یاد کر کر کے تیرے دستِ حنا
کفِ افسوس ہم تو ملتے ہیں

ایک دن پھر کے کوے جاناں میں
جائیں گے روز یوں سنبھلتے ہیں

مل کہیں جائے کوئی صاحبِ دل
اسی امید پر ہی چلتے ہیں

شکوۂ آسماں کروں نہ کروں
سر نوشتے بھی گاہ ٹلتے ہیں

سن کے **عبدالحسین** میری غزل
وجد میں سب درخت ہلتے ہیں

دشتِ آوارگی میں جانا ہے
ان دنوں اپنا دل دیوانا ہے

بلبلوں سے کہو کہاں ہے بہار
بے وفا دیکھ یہ زمانا ہے

دانۂ خالِ دلفریب کو دیکھ
دل کو دیتا ہے جو کہ دانا ہے

سن کے میری غزل کہیں گے لوگ
یہ عجب طرح کا ترانا ہے

ہیں جہاں ساقی و مے و مطرب
اپنا زاہد وہاں ٹھکانا ہے

ہے عبث گل‌رخوں کو دل دینا
اپنی خاطر میں خار کھانا ہے

اب ہے عبدالحسین وقتِ نشاط
کوے جاناں میں آج جانا ہے

☆ ☆ ☆

۶۴

میرزا قلیچ بیگ قلیچ

(۱۲۷۰ھ – ۱۳۴۸ھ)

میرزا قلیچ بیگ بن میرزا فریدوں بیگ سنہ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ع میں حیدرآباد کی نواحی بستی 'ٹنڈو ٹھوڑو' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بستی کے ایک مکتب میں آخوند شفیع محمد سے حاصل کی۔ عربی اور فارسی قاضی احمد متعلوی سے پڑھی۔ کچھ عرصہ اینگلو ورنیکیولر اسکول میں پڑھنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول حیدر آباد میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بمبئی کے ایلفنسٹن کالج میں حصولِ تعلیم کے لیے گئے، جہاں پر پروفیسر میرزا حیرت کی نگرانی اور صحبت میں تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ تصوف کی لگن بھی پیدا ہوگئی۔ میرزا حیرت کی سفارش پر وہ کالج کے 'فیلو' مقرر ہوگئے۔

فارغ التحصیل ہوکر اپنے وطن واپس آئے۔ تحصیل داری (ہایر) کا امتحان پاس کرنے کے بعد تحصیل دار ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۹ع میں تیس برس کی ملازمت کے بعد پچپن سال کی عمر میں، ڈپٹی کلیکٹری کے عہدے سے پینشن حاصل کی۔

اگرچہ آپ کی زندگی کے تیس سال ملازمت میں گذرے ، تاہم علم و ادب سے آپ کو جو شغف تھا ، وہ کم نہ ہوا ۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ تاحیات جاری رہا ۔ ان کی علمی اور ادبی خدمات کے صلے میں حکومتِ برطانیہ نے انھیں 'شمس العلماء' کا خطاب اور 'قیصرِ ہند' کا تمغہ دیا ۔

میرزا قلیچ بیگ تین سو سے زائد کتابوں کے مصنّف ، مترجم اور مؤلف ہیں ۔ ڈرامہ ، ناول ، مقالات ، تاریخ ، لغت ، فلسفہ ، تعلیم ، سائنس ، طب ، تصوف ، سوانح غرض کہ ہر موضوع پر قلم اٹھایا ، اور سندھی میں اکثر علوم پر کتابیں مرتّب کر کے تعلیمی ضروریات کو پورا کیا ۔

میرزا موصوف نے ۳ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء کو ۷۷ سال کی عمر میں حیدرآباد میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے ۔

میرزا قلیچ بیگ کو اوائلِ عمر سے ہی شاعری کا شوق تھا اور 'قلیچ' تخلص کرتے تھے ۔ انھوں نے فارسی ، سندھی ، سرائیکی میں تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ۔ ترکی میں بھی اشعار کہے ۔ ان کی تالیف ''سودائے خام'' میں ان کا کافی اردو کلام موجود ہے جس میں سے انتخاب درجِ ذیل ہے :—

جورِ خوباں ہے مجھے ہردم و ہر باب پسند
خواہ ہو تیرِ نگہ ، خواہ ہوئے زلفِ کمند

اے صنم تیری تمنّا میں رہا عمر تلک
آتشِ ہجر میں جلتا ہے جگر مثلِ سپند

تیرے آگے بخدا ہے نہ مسیحا کی مجال
لاکھ مُردوں کو جلاتا ہے ترا شکّرخند
گر جگہ پاؤں تری زلفِ چلیپا کے اوپر
پل میں ہو جاؤں میں منصور سے صدبار بلند
میں نہ چھوڑوں گا ترے عشق کا پیچھا ہرگز
عمر بھر لوگ اگر ڈالیں مرے گوش میں پند
سیلِ خوں گرچہ ہے ہر عضو سے میرے جاری
باز آتا نہیں ظالم ز سرِ ظلم و گزند
کیا عجب شعر لکھا شاعرِ شیریں گفتار
جس کے ہر لفظ سے آتا ہے سوادِ گلقند
وائے جلّاد تری دشنۂ مژگاں ازبس
کرتی ہے میرے جدا مثلِ قلم بند سے بند
کیا لکھوں ذکر ترا سنگدل و کافرکیش
زار کرتا ہے زبوں سب کو ترا مکر اور فند
بے مروّت ہے **قلیچ** ایسی بری باتوں سے
یار کے حق میں بھلا اتنی شکایت تاچند

ترے عشق کو میں سدا چاہتا ہوں
محبت تری جابجا چاہتا ہوں
نہ شاہی وزیری سے مطلب ہے میرا
ترے در پہ ہونا گدا چاہتا ہوں

نسیمِ بہشتی نہ بھاتی ہے دل کو
میں تیری گلی کی ہوا چاہتا ہوں

ترے ہجر میں عمر گذری ہے ساری
ذرا ساتھ تیرے ملا چاہتا ہوں

ترے تیرِ مژگاں کیا زخم دل میں
ترے لعلِ لب سے دوا چاہتا ہوں

مجھے آتی لذّت نہ جینے میں جانی
ترے درد و غم میں موا چاہتا ہوں

خدا سے تری خیر کا ہوں میں سائل
فقط سر پہ اپنے بلا چاہتا ہوں

قلیچ اس جہاں میں غرض ہے نہ کس سے
خدا چاہتا ہوں، خدا چاہتا ہوں

دیدۂ مست اٹھایا نہ کرو
فتنۂ خفتہ جگایا نہ کرو

گالیاں دیتے ہو کیوں اے ظالم
بے دلوں کو تو ستایا نہ کرو

خون ہوتا ہے جگر عاشق کا
لب کو لالی تو لگایا نہ کرو

سارے عالم میں ہوا اندھیارا
شمعِ عارض کو چھپایا نہ کرو

خنجر و تیر چلا جاتا ہے
آنکھ سے آنکھ لڑایا نہ کرو

غیرت آتی ہے مجھے بے غایت
مردمِ عام میں جایا نہ کرو

چھوڑ دو ناز و ادا اے کافر
راہِ اسلام بھلایا نہ کرو

منتظر ہوں میں ترے آنے کا
وعدۂ وصل پھرایا نہ کرو

خال پر زلف بنا رکھتے ہو
طائرِ دل کو پھنسایا نہ کرو

جھوٹ کہتا ہے تجھے جھوٹا رقیب
ہر سخن گوش میں لایا نہ کرو

آتشِ ہجر میں جلتا ہے **قلیچ**
پھر دوبار اس کو جلایا نہ کرو

میں تیرے ہجر میں مرتا ، ذرا دیکھو تو سہی
اُٹھایا جان پہ رنج و بلا ، دیکھو تو سہی

میں تیرے وصل کی اُمید قطع کی مطلق
یقین بوسہ نہ دوگے ، بھلا دیکھو تو سہی

لگائی تیغ نگہ تو نے کیسی اے قاتل
ہزار زخم جگر پر کیا ، دیکھو تو سہی

عجب یہ ظلم کہ ہنس ہنس کے خونِ عاشق کو
لگاتا ہاتھوں کو مثلِ حنا ، دیکھو تو سہی

دو چشمِ مستِ تو انداخت فتنہ در عالم
بلحظۂ شدہ محشر بپا ، دیکھو تو سہی

ذرا تو صلح و صفا کر کہ تیرے غصّے نے
جلایا آگ میں ارض و سما ، دیکھو تو سہی

مریضِ عشق ترا ہے پڑا بحالِ تباہ
نہ دل نہ دوست نہ دم نے دوا ، دیکھو تو سہی

سناؤ ، میں نے تری کی ہے کیا خطا ، اے شیخ
عبث تو ہوتا ہے مجھ سے خفا دیکھو تو سہی

قلیچ ! جور و جفا سے نہ ڈر رقیبوں کے
خراب اُن کو کرے گا خدا ، دیکھو تو سہی

لالہ رخا ، سمن برا ، سرو قدا ، تو کون ہے
سنگدلا ، ستمگرا ، ماہ وشا ، تو کون ہے

دیکھتے ہی تجھے مرے عقل و حواس اڑ گئے
صبر و قرار، دین و دل جملہ گیا ، تو کون ہے

تیغِ نگہ سے اے سجن ! تو نے کیا جہاں کو قتل
حور ، پری ہے یا ملک ، سچ تو بتا تو کون ہے

میں نے کی عرض جب آسے بوسہ دو تلخ کام ہوں
ناز و ادا سے ہنس کے وہ کہنے لگا تو کون ہے

ظلم و ستم ترا صنم سہتا ہزار دل سے میں
اے کہ لذیذ ہے ترا جور و جفا تو کون ہے
تیری تجلّی سے ہوئی ، روحِ قلیچ کالعدم
ہستی سے ہوں میں بے خبر ، بہرِ خدا تو کون ہے

فریاد فلک پر ہے تری تیغِ نظر سے
رنجور ہے نرگس تری چشموں کے اثر سے
یاقوت خجل تیرے لبِ لعل کے آگے
دل خون ہے لالے کا ہمہ ، داغِ جگر سے
واری ہوں میں سو جان سے ہر ایک قدم پر
آتا ہے نکل ماہِ منوّر جبھی گھر سے
جب دیکھتا ہوں عارضِ روشن ترا جانی
یاد آتا ہے اک پل میں مجھے شمس و قمر سے
اے شوخ مرے قتل کے شائق ہو تو آؤ
راحت مجھے آئے گی ترے تیغ و تبر سے
دل سے نہ مٹادوں گا کبھی تیری محبت
شمشیرِ دوسر جائے نکل گر مرے سر سے
یکرنگ ترے عشق میں ہردم ہوں اگرچہ
رگ رگ مری ہلتی ہے ترے ظلم و قہر سے
پیوند نہ ٹوٹے گا ترا مرگ سے میرے
آواز ترے نام کا آئے گا قبر سے

راضی ہے صنم میرا قلیچ ایسی غزل پر
کمتر نہیں قیمت میں کبھی دُرّ و گُہر سے

قتل کو عاشقوں کے اک مژہ کا تیر کافی ہے
دلِ دیوانہ کو اک زلف کا زنجیر کافی ہے
چلے ہو صید کرنے کو کٹاری ہاتھ میں لے کر
لگادو یہ جگر میرا تجھے نخچیر کافی ہے
قسم ہے گر مجھے ہووے ہوس کچھ اور چیزوں کا
ترے کوچے کی خاک اے جاں مجھے اکسیر کافی ہے
جسی کو شوق کامل ہے بقائے نور اللہ کا
زیارت کے لیے اس کو تری تصویر کافی ہے
خدا کے واسطے ناصح زباں کو تھام لے اپنی
نہیں مجھ کو غرض کس کی، مجھے یہ پیر کافی ہے
خیالِ خام ہے سر میں مجھے معراج پانے کا
شہیدِ عشقِ جاناں کو سرِ شمشیر کافی ہے
خدا جانے صبح تا شام واعظ کیا بھکتا ہے
دلِ بینا کو تیری چشم کا تفسیر کافی ہے
کہو مطرب کو اٹھے اپنے سازوں کو جلا دیوے
ترے شیریں دہن سے اے سجن تقریر کافی ہے
قلیچ اعدا کی کچھ پروا نہیں گر سیکڑوں آویں
مدد کرنے کو تیرے شبّر و شبّیر کافی ہے

تو نے لوٹا ہے دل دغا کر کے
تجھ کو رہتا تھا میں دعا کر کے

مارنا جب تھا اے مسیحا دم
کیوں جلایا مجھے دوا کر کے

غمزہ ہے تیرا معجزے سے نہ کم
دیتا دم میں بقا فنا کر کے

بندہ تیرا ہی ہے قلیچ اگرچہ
تو نے چھوڑا اسے رہا کر کے

ہیں ہم صوفی، سب کو بلاتے رہیں گے
اور اک دوسرے سے ملاتے رہیں گے
اخوت دکھائیں گے اور آدمیت
صفت صلح کل کی بھی گاتے رہیں گے
رہیں گے جسی قوم و ملت میں، اس میں
صداقت کا ڈنکا بجاتے رہیں گے
کبھی بتکدے میں، کبھی میکدے میں
مُغوں کو کھلاتے پلاتے رہیں گے
نہ پائیں گے گر دیر و مسجد میں جانی
تو ہم در کا حلقہ ہلاتے رہیں گے
سنا کر سبھوں کو فسانے عجائب
بہ نوبت ہنساتے، رلاتے رہیں گے
قلیچ ایسے ہمدم ملیں گر تو ان کو
تصوّف کے نکتے سناتے رہیں گے

یا رب مرا وہ یار یگانہ کب آئے گا
پھر عیش اور خوشی کا زمانہ کب آئے گا

اٹھتا ہے شور سینے میں آئی ہے جاں بلب
مرتا ہوں میں، مسیح سیانا کب آئے گا

مدت سے ہے قفس میں مرا مرغِ دل اسیر
ہے تلملاتا، آب اور دانا کب آئے گا

تنہائی میں رہا نہ کوئی شغل اے **قلیچ**
گانا کب آئے گا کہ بجانا کب آئے گا

عاشقوں سے اے صنم اتنی جدائی تابکے
آشناؤں کے لیے نا آشنائی تابکے

اے کہ گاہے بر منِ مسکیں نہ کردی یک نظر
با وفادارانِ خود ایں بےوفائی تابکے

جب ترے ناز و ادا کا خود بخود کشتہ ہوں میں
خنجر و شمشیر سے ناحق لڑائی تابکے

حسنِ گل کی پایداری اک نفس باقی نہیں
آخر اے بلبل تری نغمہ سرائی تابکے

میں نہیں دم مارتا ہوں شاعری کا اے **قلیچ**
شاعروں کے ساتھ پھر طبع آزمائی تابکے

کیا ضرورت عاشقوں کو عشق کے اظہار کی
زرد رُوئی بس ہے سرخی دیدۂ خوں بار کی

مرغِ بسمل سے بھی جا کر پوچھو تم دل کی تپش
آہ بھی ان کی اثر رکھتی سقر کے نار کی

لحظہ اک دیدار سے فارغ کبھی رہتے نہیں
چشمِ موسیٰ کو تو حسرت رہ گئی دیدار کی
یار کی اُلفت میں ایسا محو رہتا ہے **قلیچ**
ہوش اپنا ہے نہ اس کو، نے خبر اغیار کی

رباعی

جو فیض کا جگ کے علم پڑھتا جاتا
دنیا میں عروج پر وہ چڑھتا جاتا
سکھ خلق کا چاہو، دیکھو تم بڑ کا جھاڑ
ہوتا ہے بڑا اور بھی بڑھتا جاتا

☆ ☆ ☆

٦٥

میرزا مدد علی بیگ مدد

(۱۳۰۱ھ — ۱۳۵۱ھ)

میرزا مدد علی بیگ ولد میرزا نور محمد بیگ ، ٹنڈو آغا شہر حیدرآباد میں ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ع میں پیدا ہوئے - آپ نے زمانے کے دستور کے مطابق اچھی تعلیم پائی اور سندھی ، فارسی اور آردو زبانوں میں مہارت حاصل کی -

میرزا صاحب سیر و سیاحت کے بہت شوقین تھے - ہندوستان اور ایران کی سیاحت کی - ۱۹۲۱ع میں آپ کی زیر ادارت ایک علمی رسالہ ''صراط المستقیم'' جاری ہوا - آپ نے سندھی زبان میں چند ناول بھی لکھے جن میں سے ''چین جو شہزادو'' (دو جلد) ، ''عقل چرخ'' (دو جلد) ، ''انارکلی'' ، ''سیف الملوک'' شائع ہوئے - فنِ طب پر بھی آپ کے چند کتابچے شائع ہوئے تھے -

میرزا صاحب نے ۱۳۵۱/۱۹۳۱ع میں وفات پائی اور شہر حیدرآباد میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے -

میرزا مدد علی بیگ 'مدد' تخلص کرتے تھے - قطعہ' تاریخ لکھنے میں انھیں ملکہ حاصل تھا - 'مدد' کا کلام فارسی ، سندھی اور آردو میں موجود ہے اور اس کا بیشتر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے - ان کے آردو

سلاموں کا مجموعہ سنہ ۱۹۱۲ع میں شائع ہوا ۔ 'مدد' کے اُردو کلام کا نمونہ درجِ ذیل ہے :

قومی نظم

اے قوم تجھ پہ گر ہیں فدا ہم تو ہے روا
آنکھوں پہ اپنی تجھ کو بٹھائیں تو ہے بجا
احسان تو نے ہم پہ کیا آج اس قدر
ممکن نہیں کہ شکر ترا ہم سے ہو ادا
دیکھا گیا نہ تجھ سے ہمارا غم و الم
آئے ہمارے درد کی کرنے یہاں دوا
وہ شمع جس سے ہند میں پھیلا تھا نورِ دیں
روشن ہوئی تھی پہلے جہاں ، ہے یہی وہ جا[1]
سرچشمۂ علوم کبھی تھی جو سرزمیں
جس میں کمال و فضل کا دریا تھا بہہ رہا
صد حیف آج اس میں جہالت کا دور ہے
ایسا نہیں کوئی جو ہمارا ہو پیشوا
گرداب میں ہماری ترقی کا ہے جہاز
اور اس پہ طرّہ یہ کہ نہیں کوئی ناخدا
کم ہمتی کو زور ، شجاعت کو ضعف ہے
جرأت رہی نہ پہلی سی اب ، اور نہ حوصلا
افسوس در پہ غیر کے ہم بات بات پر
پھرتے ہیں کھاتے ٹھوکریں ، یہ حال ہو گیا

۱- یعنی سرزمینِ سندھ ۔

اک دن وہ تھا عنانِ حکومت تھی ہاتھ میں
اک دن یہ ہے کہ ہم کو نہیں کوئی پوچھتا
اے قوم ! چاہیں کس سے مدد ہم ، بتا تو ہی
ہم بےکسوں کا تیرے سوا کیا ہے آسرا
حالت ہماری تجھ پہ ہویدا ہو کس طرح
اخبار یاں ہماری نہیں کوئی مطلقاً
لازم ہے اب ہمیں بھی کہ غفلت کو چھوڑ کر
اس راہ پر چلیں جسے بتلائیں رہنما
امدادِ قوم سے ہمیں اُمید ہے **مدد**
حاصل ہمارے دل کا ہر اک ہو گا مدعا

(سنہ ۱۹۲۸ع)

رباعی

اس بزم کو میں جلسۂ احباب کہوں
یا بحرِ ولا کا دُرِ خوش آب کہوں
شان اس کی مگر کہتی ہے ، زیبا یہ ہے
گنجینۂ اسلام کا گر باب کہوں

بہارِ جاں فزا آئی ہے ، گل جوبن دکھاتے ہیں
خوشی سے اپنے پیراہن میں کب پھولے سماتے ہیں
ہماری قبر پر آ کر کہا یہ اس مسیحا نے
تماشا دیکھ ، ہم ٹھوکر سے مُردوں کو جلاتے ہیں
غبار ان کو عبث ہے بعدِ مردن اس مسافر سے
میں نقشِ پا نہیں ہوں ، پھر مجھے وہ کیوں مٹاتے ہیں

مقابل میں جنھیں غیروں کے ہم اپنا سمجھتے تھے
وہ ہی ہاتھوں سے اپنے ہم کو مٹی میں ملاتے ہیں

کھٹکتا تھا جنھیں کانٹے کی صورت زندگانی میں
خدا کی شان! میری قبر پر وہ گل چڑھاتے ہیں

بتوں کی سردمہری سے نہ کیوں پتھر بنیں آنسو
مجھے جب دیکھ کر روتا ہوا وہ مسکراتے ہیں

سنبھل جا اے دلِ مضطر کہ برقِ طور گرتی ہے
وہ اپنے طالبِ دیدار کو جلوہ دکھاتے ہیں

تپش ہے، دردِ سر ہے، سوزِ دل ہے، یاس ہے، غم ہے
تمھارے ہجر میں عشّاق کیا کیا غم اُٹھاتے ہیں

ہزاروں تیر پڑتے ہیں جگر پر ترچھی نظروں کے
تری آنکھوں سے جب ہم اپنی آنکھوں کو لڑاتے ہیں

زمیں کو زلزلہ آتا ہے، گردوں کانپ اٹھتا ہے
ہم اپنے نالۂ پُر درد کو جب آزماتے ہیں

خیالِ کاکلِ پُرپیچ میں سودائی رہتا ہوں
عبث حدّاد مجھ کو دوہری زنجیریں پہناتے ہیں

ہوا کشتہ نظر کا، کوئی بسمل تیغِ ابرو کا
ترے ناز و ادا اے یار! کیا کیا ظلم ڈھاتے ہیں

نہ جانے کیا خیال آیا **مدد** کچھ خود بخود ان کو
کہ آ کر میری تربت پر وہ اب آنسو بہاتے ہیں

ہوا جو بام پر وہ جلوہ گر آہستہ آہستہ
لگا گم ہونے غیرت سے قمر آہستہ آہستہ

محبت دے کے پہلے دل لیا ، پھر جان ، پھر راحت
کیا قبضے میں اپنے میرا گھر آہستہ آہستہ
تری اُلفت کے باعث اے پری پیکر، میرے ہمدم
روانہ ہوگئے سب چھوڑ کر آہستہ آہستہ
دلِ صد چاک شانے کی طرح زلفوں میں جا اُلجھا
چھڑانا سانپ سے اے سیم بر ! آہستہ آہستہ
کہاں ہے اب جگر جو سہہ سکوں میں درد فرقت کو
کہ راہِ دید سے ٹپکا جگر آہستہ آہستہ
بچھاؤں فرش آنکھوں کا سرِ راہِ گذر میں جو
کبھی پھرتے ہوئے آئیں ادھر آہستہ آہستہ
نکلتا تھا نہ جو دن کو وہ شب بھر غیر کے ہمراہ
پھرا کرتا ہے بے خوف و خطر آہستہ آہستہ
مدد مصرع علی کی یہ بہت دل کو پسند آئی
''کہ آئے بِن بلائے میرے گھر آہستہ آہستہ''

☆ ☆ ☆

٦٦

میرزا قربان علی بیگ قربان

(۱۲۹۰ھ — ۱۳۵۱ھ)

مرزا قربان علی بیگ ، مرزا قاسم علی بیگ کے فرزند تھے - وہ محلہ ٹنڈو آغا شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے - حیدرآباد ہی میں عربی اور فارسی کی تعلیم پائی - بعد میں ہزہائنس میر نور محمد خان ٹالپور کے میر منشی ہوئے - وہ ایک اچھے خوش نویس تھے - آپ کے دستخطی قلمی نسخے قابلِ دید ہیں -

مرزا قربان علی بیگ نے عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو میں شاعری کی - 'قربان' تخلص کرتے تھے - میر علی نواز 'ناز' کے کلام کی اصلاح بھی کیا کرتے تھے - شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ نے 'قربان' کی ایک غیر مطبوعہ منظوم بیاض پر یوں تقریظ لکھی ہے :

''میں نے مرزا قربان علی صاحب کی کتاب ''ریاضِ قربان'' مطالعہ کی ہے جس میں مناجات ، مناقب اور نعتیں وغیرہ موجود ہیں - پڑھنے سے معلوم ہوا کہ مصنف عربی ، فارسی ، اردو اور سندھی زبان کی اچھی مہارت رکھتے ہیں اور شاعری میں کافی دسترس رکھتے ہیں جو انتہائی موزوں ، دل پسند اور موثر ہے -''

(حیدرآباد ، ۲۶ مارچ ۱۹۲۹ع)

مرزا قربان نے سنہ ۱۹۳۲ع میں وفات پائی اور ٹنڈو آغا میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کیے گئے - قربان کی غزلیں بطور نمونہ درج ذیل ہیں :

ترا آنا گر اے رشکِ مسیحا ہو نہیں سکتا
تو بیمارِ محبت جانو اچھا ہو نہیں سکتا
ترے کشتہ کو زندہ سب کریں ، یہ غیر ممکن ہے
اگر چاہے ہر اک ہونا مسیحا ، ہو نہیں سکتا
تری اُلفت میں وہ کشتہ ہوں ، گر عیسیٰ بھی آجائے
وہ زندہ کر نہیں سکتا ، میں زندہ ہو نہیں سکتا
میں دل میں روبرو تیرے بہت کچھ سوچ آیا تھا
مگر ہیبت سے اظہارِ تمنا ہو نہیں سکتا
جلاؤ جتنا جی چاہے ، ستاؤ جتنا جی چاہے
کروں شکوہ کسی سے تیرا ، ایسا ہو نہیں سکتا
ہے تیرے وصل کی اُمید پر یہ زندگی میری
بتادو ہو بھی سکتا ہے بھلا ، یا ہو نہیں سکتا
زمانہ چھوڑ دے تو چھوڑ دے ، پروا نہیں **قربان**
محبت چھوڑ دوں پیارے کی ، ایسا ہو نہیں سکتا

جاں بلب ہوں ، دوا کرے کوئی
وہ یہ کہتے ہیں کیا کرے کوئی
درد ہے دل میں ان کی چاہت کا
میرے حق میں دعا کرے کوئی
عشق میں ہے ضرور رسوائی
دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

نبض چھوٹی ہے ، سانس رکتا ہے
اب تو وعدہ وفا کرے کوئی

ہم تو عاشق ہیں تیری صورت پر
دوست قربان سا کرے کوئی

☆ ☆ ☆

٦٧

میر علی نواز خاں ٹالپور ناز

(۱۲۹۱ھ — ۱۳۵۴ھ)

میر علی نواز خاں بن میر امام بخش خاں بن میر فیض محمد خاں ٹالپور سنہ ۱۲۹۱ھ/۹ اگست ۱۸۸۴ع میں اپنی ریاست (خیرپور میرس) کے قدیم پائے تخت 'کوٹ ڈیجی' میں پیدا ہوئے۔ خاندانی روایات کے مطابق ابتدائی تعلیم وہیں کوٹ ڈیجی میں پائی ۔ مزید تعلیم کے لیے لاہور کے چیفس کالج میں داخل ہوئے، جہاں سے فارغ ہو کر ولایت چلے گئے ۔ ۸ فروری سنہ ۱۹۳۱ع کو ان کے والد میر امام بخش خاں نے وفات پائی ۔ ۱۵ فروری کو خیرپور میرس کے مشہور 'فیض محل' میں میر علی نواز خاں کی تخت نشینی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منعقد کی گئی ، جس میں حکومتِ برطانیہ کی جانب سے پولیٹیکل ایجنٹ شریک ہوئے۔ میر صاحب نے اپنے دورِ حکومت میں ریاست خیرپور میں کافی اصلاحات نافذ کیں ۔ سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ع میں وفات پائی ۔ پہلے کوٹ ڈیجی میں ان کی لاش بطورِ امانت رکھی گئی ، پھر کچھ مدت کے بعد حسبِ وصیت آپ کی میت کو کربلا میں لے جا کر دفن کر دیا گیا ۔

میر علی نواز خاں شعر و سخن کے دلدادہ تھے اور 'ناز' تخلص

کرتے تھے ۔ ان کی تصانیف میں سے آتشِ عشق ، خلوتِ عشق ، گلدستۂ ناز[1] ، اور اُردو ترجمہ رباعیاتِ عمر خیام قابلِ ذکر ہیں ۔ وہ اُردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے ۔ اس کے علاوہ سندھی ، سرائیکی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے ۔

کلام سے انتخاب درجِ ذیل ہے :

ناقص سے کیا بیاں ہو ، یارب کمال تیرا
خورشید و ماہ میں ہے جاہ و جلال تیرا
چھٹتا نہ سنگِ اسود قبضے سے ان بتوں کے
سایہ نہ ڈالتا گر کعبے پہ خال تیرا
تصویر تیری پائی آئینۂ نظر میں
فانوسِ دل میں دیکھا روشن خیال تیرا
رہتی ہے تازہ ہردم دل میں تری محبت
آزاد ہر خزاں سے نکلا نہال تیرا
گیسو کی الجھنوں سے اس **ناز** کو نکالا
احسان مند ، یا رب ! ہے بال بال تیرا

سہل ہے ذرّے کا خورشیدِ درخشاں ہونا
آدمی کا مگر آساں نہیں انساں ہونا
بدمزہ ہو نہ کہیں خنجرِ قاتل کی زباں
دہنِ زخم کو لازم ہے نمک داں ہونا
لاش پروانے کی جاتی ہوئی دکھلا کے مجھے
تم نے بھی دیکھ لیا شمع کا گریاں ہونا

۱۔ یہ مجموعہ پہلے پہل دہلی سے سنہ ۱۹۲۲ع میں چھپا ۔

دل مرا جب سے لیا ، آنکھ ملاتے ہی نہیں
ان سے سیکھے کوئی شرمندۂ احساں ہونا
وہ تو سوتے ہیں مگر جاگ رہی ہے قسمت
ہو مبارک تمھیں **ناز** ان کا نگہباں ہونا

آئنہ دے گا کہاں سے بندہ پرور کا جواب
یہ مرا دل ہے کہ دیتا ہے برابر کا جواب
دل بھرا آتا ہے دیکھی ہے جو تیری چشمِ تر
اس صراحی سے دیا ہے ہم نے ساغر کا جواب
سخت باتوں پر عدو کی **ناز** دل بوجھل نہ کر
سیکھ نخلِ بارور سے جا کے پتھر کا جواب

خواب میں آنے کی میرے نہ قسم کھائیے آپ
نیند آئے گی تو سو جاؤں گا میں ، جائیے آپ
عشق کی شکل نہ دکھلاؤں تو جھوٹا کہنا
آئنہ بن کے کسی روز چلے آئیے آپ
میں نے گیسو جو بنانے کو کہا ، فرمایا
جعلسازوں میں مجھے مفت نہ پھنسوائیے آپ
خلوتِ **ناز** ہے ، کچھ ڈر نہیں کھل جانے کا
ہاتھ محرم پہ جو پڑ جائے ، نہ شرمائیے آپ

تڑپا ہے کیسا کیسا دلِ بے قرار رات
گزرے کسی پہ ایسی نہ پروردگار رات

اندھیر ہو گیا کہ کھلا ضبط کا بھرم
آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار رات
اس شمع رو کو دیکھ کے بزمِ رقیب میں
جلتا رہا میں رشک سے پروانہ وار رات
پروانہ جل بجھا جو تری تابِ حسن سے
روئی ہے شمع میرے لیے زار زار رات
ارمان بے نکالے ، ٹلے گا نہ آج **ناز**
آتی ہے ہاتھ ایسی کہیں بار بار رات ؟

کیوں خفا ہیں حضور ، کیا باعث
کچھ خطا ، کچھ قصور ، کیا باعث
دل تو کیا ، آنکھ بھی نہیں ملتی
مجھ سے رہتے ہو دور ، کیا باعث
اپنے سائے سے کیوں جھجھکتا ہے
کچھ تو کہہ رشکِ حور ، کیا باعث
توبہ ساقی سے مل گئی کیا **ناز**
شیشۂ مے ہے چور کیا باعث

کیا جانے شبِ وصل کہاں کی ہے سحر آج
جھینپی سی نظر آتی ہے کچھ اُن کی نظر آج
آتے ہی شبِ وصل کے کیا سو گئی تقدیر
دیتے ہیں اذاں شام سے مرغانِ سحر آج
گریاں رہے کل تک دلِ گم گشتہ کی خاطر
کیا جان کو روئیں گے مرے دیدۂ تر آج

سوزِ غمِ فرقت کا بھرم کھل گیا آخر
آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو بن کے جگر آج
یہ ناز کی محفل ہے، یہاں وعظ کا کیا کام
کورے نہ بچیں شیخ جو آئے ہیں ادھر آج

الٰہی غیر بھی سو جائے پاسباں کی طرح
وہ حالِ دل مرا سنتے ہیں داستاں کی طرح
یہ کیا کہ آؤ تو دل بن کے، جاؤ جاں کی طرح
ہمیں پسند نہیں مرگِ ناگہاں کی طرح
تمہارا کشتۂ رفتار جب سے دفن ہوا
زمیں بھی پڑ گئی چکّر میں آسماں کی طرح
خدا بچائے قیامت اٹھانے والی ہیں
وہ ترچھی ترچھی نگاہیں، وہ بانکی بانکی طرح
شبِ فراق جنوں نے یہ پاؤں پھیلائے
کہ تنگ ہو گیا صحرا مرے مکاں کی طرح
یہ بزمِ ناز نہیں جلوہ گاہِ محشر ہے
یہاں تو منہ نہ چھپائے کوئی وہاں کی طرح

ناتوانی میں بھی ہے کوچۂ دلدار کا رخ
دیر سے دیکھ رہا ہوں دلِ بیمار کا رخ
میں بھی ہوں قتل گہِ عام میں، اغیار بھی ہیں
دیکھیے کس کی طرف ہو تری تلوار کا رخ
دشت کی سیر ہے منظور مجھے گھر بیٹھے
در و دیوار پہ ہے دیدۂ خوں بار کا رخ

دلِ دیدار طلب لے کے وہیں پہنچے **ناز**
جس طرف دیکھ لیا جلوہ گہِ یار کا رخ

خامشی عرضِ حال ہے شاید
میری صورت سوال ہے شاید

نہیں آنکھوں میں آپ کی ڈورے
یہ محبت کا جال ہے شاید

اپنے سائے سے بچ کے چلتے ہو
میری یہ دیکھ بھال ہے شاید

کیوں ٹپکتی ہے آنکھ سے حسرت
شیشۂ دل میں بال ہے شاید

جان دینے پہ فخر کیسا **ناز**
عاشقی کچھ کمال ہے شاید

ہاتھ کیا ہوں ترے پابندِ حنا میرے بعد
خونِ ناحق میں رہا کچھ نہ مزا میرے بعد
صرف وحشت کا تخیّل تھا ، کہاں کی لیلیٰ
قیس کیوں مفت میں بدنام ہوا میرے بعد

بلبل خزاں میں خار و خسِ آشیاں نہ ڈھونڈ
اجڑے ہوئے چمن میں نشانِ مکاں نہ ڈھونڈ
الزامِ بے ثباتیِ عالم تجھی پہ ہے
غافل جہاں میں عیش و غمِ جاوداں نہ ڈھونڈ
تارِ نظر ہوں خود ، نظر آنا محال ہے
اے لاغری نشانِ تنِ ناتواں نہ ڈھونڈ

ہٹائے اپنے گیسو آپ نے رخ سے جو رہ رہ کر
شبِ وعدہ رہی بے نور، نکلا چاند گھِر گھِر کر
ہمارا ہی تو دل لے لے کے آخر تم بنے دلبر
تمہاری خوبگاڑی ہے ہمیں نے ظلم سہہ سہہ کر
وہ جُوڑا کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں بزمِ دشمن میں
مرے سینے پہ کیا کیا لوٹتے ہیں سانپ رہ رہ کر

یہ کون بربطِ دل پر ہے زمزمہ پرداز
میں سن رہا ہوں عجب اک لطیف سی آواز
کسی کی مُہرِ خموشی بھی ہے حکایتِ لطف
کسی کا طرزِ تغافل بھی ہے اشارتِ ناز
گماں یہ ہوتا ہے رہ رہ کے دل کی دھڑکن پر
مجھے کسی نے پکارا، کسی نے دی آواز
یہ زندگی ہے کوئی زندگی کہ قسمت میں
نہ عشوہ ہائے حسیناں، نہ غمزۂ غمّاز
مری نگاہ نہیں جلوہ آشنا، ورنہ
ہر ایک ذرۂ عالم ہے آفتاب طراز
علی کے عشق میں ہے موت زیست کا حاصل
یہ نقدِ شوق وہ ہے، **لاز** کو ہے جس پر ناز

بہار کی ہے نشانی یہی خزاں کے پاس
شکستہ پر سے پڑے ہیں جو آشیاں کے پاس
سرِ نیاز کہیں بھی مرا نہ پہنچ سکا
نہ تیرے در کے قریں، اور نہ آسماں کے پاس

کسی کے فیضِ رفاقت سے جو رہی محروم
وہ جوئے خشک ہوں اک بحرِ بیکراں کے پاس
سنا گیا ہے کہ ہے منزلِ مراد کہیں
درِ عدم کے قریب ، راہِ بے نشاں کے پاس
نہ آرزو ، نہ تمنّا ، نہ جذبِ شوق ، نہ عشق
بجز نیاز ہے کیا نازِ نیم جاں کے پاس

بے خودی میں حسرتِ دل کی تلاش
بیچ دریا میں ہے ساحل کی تلاش
زندگی میں سب ہیں گرمِ جستجو
ہے ہر اک منزل کو منزل کی تلاش
راہ زن ملتے رہے ہر گام پر
حد سے گزری خضرِ منزل کی تلاش
عاقلوں کو میکشوں کی تاک جھانک
قلقلِ مینا کو عاقل کی تلاش
مدعی اُلفت کے لاکھوں ، پھر بھی **ناز**
نقشِ اُلفت کو ہے عامل کی تلاش

حد بے خودیِ شوق کی مے خانۂ اخلاص
اخلاص محبت ، خطِ پیمانۂ اخلاص
محفل میں نہ تھا جوہریِ نقدِ وفا ایک
گو شمع لٹاتی رہی دردانۂ اخلاص
دیکھا ہے بڑے غور سے ہر گوشے کو اے **ناز**
کُل عالمِ ایجاد ہے پروانۂ اخلاص

کیا ہو گیا جو کھا لیے لالے نے چار داغ
میرا جگر تو دیکھ کہ ہیں سو ہزار داغ

ڈالی نہ تم نے خاک جو دل کے غبار پر
روشن رہے گا بن کے چراغِ مزار داغ

گل ہو گیا ہے جب سے چراغِ رہِ امید
میری نظر میں ہے چمنِ روزگار داغ

مجھ کو یہی خیال ہوا ، صبح ہو گئی
روشن ہوا جو دل میں شبِ انتظار داغ

ہزار چھوڑے شگوفے کوئی چمن کی طرف
ہمارا روئے سخن ہے ترے دہن کی طرف

جو پوچھتا ہوں ، تماشائے حشر ہے کس جا ؟
اشارہ کرتے ہیں سب تیری انجمن کی طرف

الگ ہے دونوں سے میرا طریق و مشرب ناز
نہ میں ہوں شیخ کی جانب ، نہ برہمن کی طرف

دیکھنا جذبِ وفا میں شوخیِ تحریرِ شوق
رنگِ رخ اُڑتا گیا ، بنتی گئی تصویرِ شوق

انتظارِ وصل پر آخر یہ پتھر پڑ گئے
پُتلیاں آنکھوں کی پتھرا کر بنیں تصویرِ شوق

ترے جلوے سے روشن ہو گئی شامِ غریباں تک
تری صورت کا پروانہ ہے شمعِ بزمِ حیراں تک

بہت نکلا اگر نکلا اُلجھ کر آستینوں سے
بہت پہنچا اگر دستِ جنوں پہنچا گریباں تک

اچھا ہوا کہ لگ گئی دامانِ تر میں آگ
کب سے بھڑک رہی تھی ہمارے جگر میں آگ
رکھا جہاں قدم، وہیں آتش کدہ بنا
بھڑکی تمہاری چال سے یہ رہ گذر میں آگ
مجھ کو جلا رہا ہے شبِ ہجر چاند بھی
پھیلی ہے چاندنی کے عوض میرے گھر میں آگ
پی پی کے آنسو دل کی لگی کو بجھائیں کیا
سلگی ہے سوزِ عشق سے یہ عمر بھر میں آگ
کیا پوچھتے ہو کیفیتِ دل کا حال نازؔ
ان کی نظر میں خاک ہے، میری نظر میں آگ

کیا دیکھیں ہم بہار میں تازہ چمن کے پھول
سینے میں ہیں کھلے ہوئے داغِ کہن کے پھول
خلقت ازل سے ان کی جو نیرنگ ساز ہے
یہ حسن والے دل کے ہیں پتھر بدن کے پھول

قیدِ وفا میں جان ہے، بندِ کفن میں ہم
مر کر بھی ہیں کشاکشِ رنج و محن میں ہم
اپنا تو بال بال خطاوارِ عشق ہے
اُلجھے ہوئے ہیں زلفِ شکن در شکن میں ہم

کیا ہو اثر بہار کا جب تازگی نہ ہو
برگِ خزاں رسیدہ ہیں گویا چمن میں ہم

وہ تو سوتے ہیں مگر جاگ رہی ہے قسمت
ہو مبارک تجھے اے **ناز**، نگہباں ہونا

مجھے دکھا کے وہ دشمن کو پیار کرتے ہیں
یہ کیا غضب، مرے پروردگار! کرتے ہیں
پھر ان کے وعدے پہ ہم اعتبار کرتے ہیں
پھر انتظارِ شبِ انتظار کرتے ہیں
دمِ اخیر بھی ملتی نہیں ہے لذّتِ دید
نگاہ پھیر کے وہ مجھ پہ وار کرتے ہیں
یہ **ناز** جذبِ محبّت کا ہے اثر شاید
وہ آج ذکر مرا بار بار کرتے ہیں

بھردے ساقی مری تقدیر کے پیمانے کو
عمر بھر دوں گا دعائیں ترے مے خانے کو
بیڑیاں روک سکیں گی ترے دیوانے کو ؟
رک گئے پاؤں تو دامن ہے نکل جانے کو
سر جھکا آ کے کسی روز ادھر بھی زاہد
خاص نسبت ہے ترے کعبے سے بت خانے کو
شیشۂ دل کو مئے شوق سے لبریز نہ کر
یہ پری لے کے نہ اُڑ جائے پری خانے کو

شیخ توبہ کرو توبہ ، یہ شراب اور حرام ؟
کوری باتیں ہیں یہ سب ناز کے بہکانے کو

میری آہوں سے کیوں بگڑتے ہو
تم تو چلتی ہوا سے لڑتے ہو

ایک بوسے پر آج لڑتے ہو
اتنی سی بات پر جھگڑتے ہو

چوٹی گندھوا رہے ہو غیروں سے
اپنے پیچھے تم آپ پڑتے ہو

کہیں پگڑی اتر نہ جائے شیخ
بادہ خواروں سے مفت اڑتے ہو

نشے میں ناز ہے تلاشِ شباب
چور بھاگا ہوا پکڑتے ہو

پری سے تم بنو گے رشکِ حور آہستہ آہستہ
شباب آئے گا لے کر منہ پہ نور آہستہ آہستہ

مرے ہاتھوں کی گستاخی کا ملتا ہے جواب اچھا
وہ ہٹتے جاتے ہیں ہنس ہنس کے دور آہستہ آہستہ

ہوئی رخصت جوانی ، نشہٗ ہستی اترتا ہے
خمار آتا ہے ، جاتا ہے سرور آہستہ آہستہ

پئیں گے ، دم تو لینے دو کہ نوآموز ہیں زاہد
یہ سب جاتا رہے گا اجتناب آہستہ آہستہ

ادھر اس **ناز** پر بھی اک نظر اے صاحبِ دُلدل
چلا آتا ہے یہ بھی ہم رکاب آہستہ آہستہ

بلائیں لی ہیں کیا کیا زلف نے رخسارِ جاناں کی
تلاوت کی ہے کس کس شوق سے کافر نے قرآں کی
مرے گھر آئے لیکن اس طرح آئے کہ کیا کہیے
کڑے چتون ، چڑھے ابرو ، نظر ترچھی ، ادا بانکی
کیا ہے میری قسمت کے ستاروں نے ہجوم آ کر
حقیقت اور کیا ہے تیری پیشانی پہ افشاں کی
محبت نے کسی کی **ناز** کافر کر دیا مجھ کو
مرے دل میں جگہ ہوتی چلی اک نامسلماں کی

دیکھنا **ناز** کو ، عاشق بھی ہے عیّار بھی ہے
جان دیتا نہیں اور جان سے بیزار بھی ہے
تیرا یہ رنگ کہ قاتل بھی ہے ، دلدار بھی ہے
دل کا یہ حال کہ اچھا بھی ہے ، بیمار بھی ہے
دیدہ و دل میں نہیں جرأتِ سودا ورنہ
حسنِ یوسف بھی ہے اور مصر کا بازار بھی ہے
ساتھ راحت کے مصیبت بھی لگی ہے اے **ناز**
پہلوے گل میں کھٹکنے کے لیے خار بھی ہے

قیامت میں کوئی کسی کا نہیں ہے
چھپوگے کہاں ، اب یہ دنیا نہیں ہے

کوئی وقت پر کام آتا نہیں ہے
مجھے موت کا بھی بھروسا نہیں ہے
محبت میں ہے حال بھی غیر اپنا
یہ سچ ہے کہ کوئی کسی کا نہیں ہے
خدا جانے کس پر نظر جا پڑی تھی
کہ اب تک مجھے ہوش آیا نہیں ہے
مئے حُبِ حیدر پہ ہے **ناز** مجھ کو
مجھے خواہشِ جامِ صہبا نہیں ہے

☆ ☆ ☆

٦٨

کلیم اللہ شاہ

(۱۲۹۳ھ؟)

سیّد کلیم اللہ شاہ ولد محمد ارشد شاہ ولد محمد عطا شاہ 'لئوں ڈیرو' سے متصل 'شاہ جو گوٹھ' (ضلع لاڑکانہ) میں سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷٦ع) میں پیدا ہوئے - آپ کے پردادا پیر علی مرتضیٰ شاہ ، پیر سائیں محمد راشد؎ ''روضہ دھنی'' (مورثِ اعلیٰ خاندانِ حضرتِ پیر صاحب پاگارہ) کے چھوٹے بھائی تھے - آپ کا خاندان 'شاہانی سادات' کے نام سے مشہور ہے - کلیم اللہ شاہ اپنے بچپن میں سیوی اور بلوچستان میں رہے - عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی - طب کا مطالعہ بھی کیا اور شوقیہ طبابت کرتے تھے - موسیقی کا بے حد شوق تھا - ہندوستان سے بڑے بڑے گویے آپ کے پاس آتے تھے- طبع موزوں پائی تھی - سندھی ، سرائیکی ، فارسی اور اردو میں آپ کا کلام موجود ہے -

سنہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ع) میں انھوں نے اپنی غزلیات کا ایک مجموعہ[1] کسی دوست کو بھیجا ، جس کے آخر میں لکھتے ہیں :

''تمت ہو گئی غزلیات اردو تصنیف کلیم اللہ شاہ - جناب !

۱- جو مرزا عباس علی بیگ کے یہاں (حیدر آباد) محفوظ ہے -

آپ کے حکم کے موجب یہ چند نمونہ غزلیات اُردو لکھے گئے ہیں ۔ اگر منظور ہو تو چند ورق اور بھی خدمت میں ادا کریں ۔ فقط

تاریخ ۱۷ ماہ رجب المرجب سنہ ۱۳۲۲ھ ، کلیم اللہ شاہ ۔"

اس مجموعے سے چند اشعار بطورِ نمونہ درجِ ذیل ہیں :

گر یار خدا آج ملاوے تو کیا عجب
شربت بھی اسی ہاتھ پلاوے تو کیا عجب
ہم چاک دلم چاک ہمارا ہے بدن چاک
باوصل کی سوزن سے سلاوے تو کیا عجب

پری رویوں کی ہے تجھ کوں امامت
امامت ہے ، امامت ہے ، امامت
جدائی دن کہوں عینِ قیامت
قیامت ہے ، قیامت ہے ، قیامت
کلیم اللہ جوں در گوش بندہ
غلامت ہے ، غلامت ہے ، غلامت

دل میں آیا کہ چل میں آؤں آج
تیری شفقت کا سر پہ لاؤں تاج
کچھ نہیں مانگتا خدا سے مگر
اک رقیبوں کے مرگ کا ہی علاج

داغِ جدائی مشکل ، مشکل نہیں اے لوگو
جانِ فدائی مشکل ، مشکل نہیں اے لوگو
دلبر کے کوچے جانا ، یہ عیش ہے نہ ذلّت
ہر در گدائی مشکل ، مشکل نہیں اے لوگو

☆ ☆ ☆

۶۹

پیر جمال الدین علوی

(۱۲۹۶ھ — ۱۳۵۵ھ)

پیر جمال الدین ، مشہور ولی شیخ ابو ریحان سلطان غیاث الدین عرف 'شیخ ریحان' کی اولاد میں سے تھے ۔ پیر محمد ہاشم کے فرزند تھے ۔ ''شاہ ابراہیم دادانی گوٹھ'' (تحصیل حیدر آباد) میں ۲۷ رجب ۱۲۹۶ھ کو پیدا ہوئے ۔ فارسی اور عربی علوم میں دسترس حاصل کی اور کئی زبانوں پر عبور تھا ۔ عربی ، فارسی ، ترکی ، اردو ، بلوچی ، پشتو اور گجراتی بول سکتے تھے ۔ تحریکِ خلافت میں نمایاں طور پر حصہ لیا اور ایک انقلابی کی حیثیت میں انگریزوں کے خلاف ڈٹ کر کام کیا ۔

پیر جمال الدین نے فارسی ، سندھی اور اردو میں شاعری کی ۔ ۱۹۲۲ء میں انگریزوں کے خلاف 'باغیانہ' تقریروں کی پاداش میں گرفتار کیے گئے ۔ گرفتاری سے پہلے حکام نے ان کو دھمکی دی تھی کہ تم جوشیلی تقریریں کرتے ہو لہٰذا گرفتار کیے جاؤ گے ۔ انھوں نے فی البدیہہ جواب دیا :

تمھاری ہتھکڑی بیڑی نہیں کافی ڈرانے کو
رکھا جب سر ہتھیلی پر تو کیا پرواہ زنداں کی

جیل خانے میں خوب اذانیں دلوائیں ۔ سپرنٹنڈنٹ نے بلا کر تنبیہ کی تو جواب میں فی البدیہہ کہا :

اذاں دیں گے بلند اعلاں ، سنے سارا تمام عالم
حکم حق نے دیا ہم کو کہا احمد نبی اکمل

اس پر ان کو مزید سزا ہوئی اور سندھ سے باہر 'تھانہ' (بمبئی سے آگے) کے جیل خانے میں بھیج دیے گئے ۔ وہاں پر اور بھی خلافتی کارکن نظربند تھے ۔ وہاں پہنچ کر مرہٹی زبان سن کر کہا :

عجب تیری قدرت دیکھی یا الٰہی
کہ قسمت وطن سے اٹھا ہم کو لائی
وہاں آ کے پہنچے کہ سندھی نہ سمجھیں
یہ 'اکڑے' یہ 'تکڑے' یہ کہتے یہ بھائی

ایک سال تک 'تھانہ' کی جیل میں نظربند رہے ، اور اپنے انقلابی نظریوں کو کھلم کھلا بیان کرتے رہے ۔ مولوی نثار احمد مفتی کانپوری سے کہا کہ : ''جیل نہ سمجھو بلکہ اس کو مدرسہ ہی سمجھو ۔'' محمد شعیب قریشی بھی اسی جیل میں تھے ۔ وہ پیر صاحب کی ہمتِ مردانہ سے خاص طور پر متاثر ہوئے ۔ انھوں نے اردو میں کافی اشعار کہے ہیں جن میں سیاسی اور صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے ۔ یک شنبہ ۱۲ شوال ۱۳۵۵ھ (۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ع) کو فوت ہوئے اور ولی شیخ ریحان کے قبرستان میں دفن ہوئے ۔

☆ ☆ ☆

۷۰

فقیر محمد ہدایت علی نجفی

(۱۳۰۰ ؟ – ۱۳۶۲ھ)

محمد ہدایت علی 'تارک' بن فقیر اللہ داد تونیہ 'لعلو رانک گوٹھ' تحصیل قنبر، ضلع لاڑکانہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا محبت اللہ صاحب کے یہاں عربی اور فارسی کی تعلیم پائی۔ فارسی اور سندھی میں کئی کتابیں لکھیں۔ عربی، فارسی، سندھی اور اردو کے شاعر تھے اور 'نجفی' تخلص کیا کرتے تھے۔ غالباً پشتو زبان میں بھی اشعار کہے۔ کلیاتِ تارک اور قطعاتِ تارک ان کے فارسی اشعار پر مشتمل ہیں۔ سندھی میں ''دیوانِ نجفی'' چھپ چکا ہے۔ سنہ ۱۹۲۹ع میں ایک مختصر تاریخ 'شعرائے سندھ' (سندھی) لکھی جس کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے۔[1] سنہ ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ع کے قریب وفات پائی اور اپنے گاؤں کے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ نجفی کے اردو کلام سے اشعار بطورِ نمونہ ملاحظہ ہوں:

گر وہ خلاقِ جہان و جاں نہ ہو
ظاہرا کچھ عالمِ امکاں نہ ہو

۱- ہدایت علی نجفی: ''تاریخ شعرائے سندھ'' (مترجم محمد حفیظ الرحمان حفیظ)، بہاول پور، ۱۳۶۵ھ۔

تجھ کو اپنا جو نہ خالق جان لے
حق کرے ایسا کوئی انساں نہ ہو
سنگ سے کمتر ہے وہ سر ، جو کبھی
جلوۂ جانانہ پر قرباں نہ ہو

۷۱

سیّد عابد علی شاہ شیدا خیرپوری

سیّد عابد علی شاہ، شہر خیرپور (میرس) کے رہنے والے تھے۔ تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں سنہ ۱۹۴۷ع میں فوت ہوئے۔ عمر کے پچاس سال یا کچھ زیادہ ہی گذار چکے تھے کہ ایک شادی کر لی تھی۔ اُس زمانے میں ایک رنگین غزل بھی کہی تھی:

بندھے ہیں رشتۂ اُلفت میں، بڑھ نہیں سکتے
پڑے ہیں گیسوے جاناں کے پاؤں میں زنجیر
کیا جوانیِ معشوق نے جوان مجھ کو
ملا ہے مجھ کو بڑھاپے میں نسخۂ اکسیر
کھلے ہیں باغِ مضامیں میں مثلِ گل الفاظ
مرے کلام سے آتی ہے بوے مشک و عبیر
ازل کے روز سے کلکِ قضا نے قسمت میں
مزاج لکھ کے امیرانہ، کر دیا ہے فقیر

ان کی ایک اور غزل دستیاب ہوئی ہے:

ستم ایجاد کو جانے بنایا مہرباں کیوں ہو
سہا کرتے ہیں عاشق ان کے شکوہ کا بیاں کیوں ہو

نہ لائے تاب ، موسٰی کی طرح بے ہوش ہو جائے
تو خواہش کیوں کرے دیدار کی ، وہ رازداں کیوں ہو

ترے مکتب میں دل دے کر ، پڑھا قانون اُلفت کا
ہوا ہو 'پاس' جو اس کا مکرّر امتحاں کیوں ہو

کہا بلبل نے رو رو کر ، بہار آئی ہے گلشن میں
ارے صیّاد چھوڑو اب ، قفس میں آشیاں کیوں ہو

وہ میرے قتل پر آمادہ ہے ، خنجر لیے ظالم
دیا جب دل ، جو چاہے وہ کرے ، آہ و فغاں کیوں ہو

بجائے فاتحہ و سویم کے ، آ کر ہنس[1] کر بولے
مٹا دو قبر کو اس کی کہ باقی یہ نشاں کیوں ہو

خیالِ یار رہتا رات دن ہے دل میں **شیدا** کے
تمھی کہہ دو خدارا پھر تو نظروں سے نہاں کیوں ہو

☆ ☆ ☆

۱- "ہنس" مقامی لہجہ -

مجلسِ ترقیٔ ادب کی چند علمی مطبوعات

۱- تعلیم و تہذیب : از پروفیسر حمید احمد خاں - - - - - - ۲۰/-

۲- تاریخِ ادبِ اردو : جلد اول (قدیم دور)
از ڈاکٹر جمیل جالبی - - - - - - - - - - - -

۳- پاکستان میں فارسی ادب : از ڈاکٹر ظہور الدین احمد -

۴- اردوے قدیم — دکن اور پنجاب میں : از ڈاکٹر محمد باقر -

۵- اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری :
از ڈاکٹر فرمان فتح پوری - - - - - - - - - - ۲۸/-

۶- مقالاتِ حافظ محمود شیرانی (جلد اول تا چہارم) - - فی جلد ۱۸/-

۷- مقالاتِ حافظ محمود شیرانی : (جلد پنجم) - - - - - - - ۲۴/-

۸- مقالاتِ حافظ محمود شیرانی : (جلد ششم) - - - - - - - ۲۵/-

۹- مقالاتِ حافظ محمود شیجانی : (جلد ہفتم)
(تنقیدِ پرتھوی راج راسا) - - - - - - - - - - - ۳۲/-

۱۰- تاریخ ایران : (جلد اول و دوم)
از پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی - - - - - فی جلد ۳۷/۵۰

۱۱- مولوی نذیر احمد دہلوی ـ احوال و آثار :
از ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی - - - - - - - - ۲۵/-

۱۲- ڈرامے کا تاریخی و تنقیدی پس منظر : از ڈاکٹر محمد اسلم قریشی ۳۰/-

۱۳- مقالاتِ مولوی محمد شفیع : (جلد اول) - - - - - - - ۱۵/-

۱۴- مقالاتِ مولوی محمد شفیع : (جلد دوم) - - - - - - - ۲۰/-

۱۵- مقالاتِ مولوی محمد شفیع : (جلد سوم) - - - - - - - ۳۵/-

۱۶- مقالاتِ مولوی محمد شفیع : (جلد چہارم) - - - - - - ۱۲/-

مجلسِ ترقیٔ ادب ، کلب روڈ ، لاہور

زرین آرٹ پریس ، لاہور